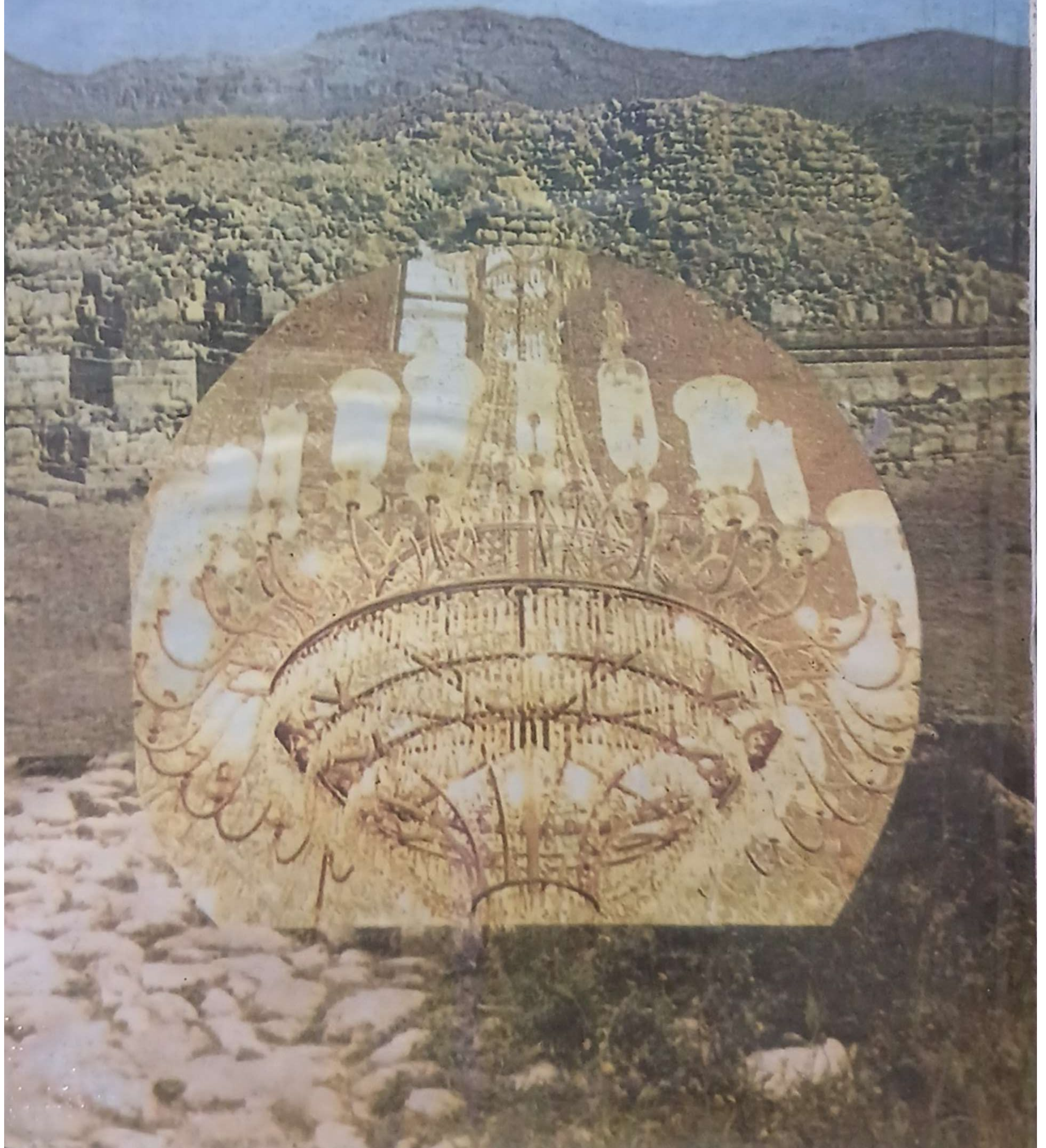
آسمان گواہ رہنا

رِفعت گل



بسم الله الرحمن الرحيم

آسمان گواہ رہنا

رِفعت گُل

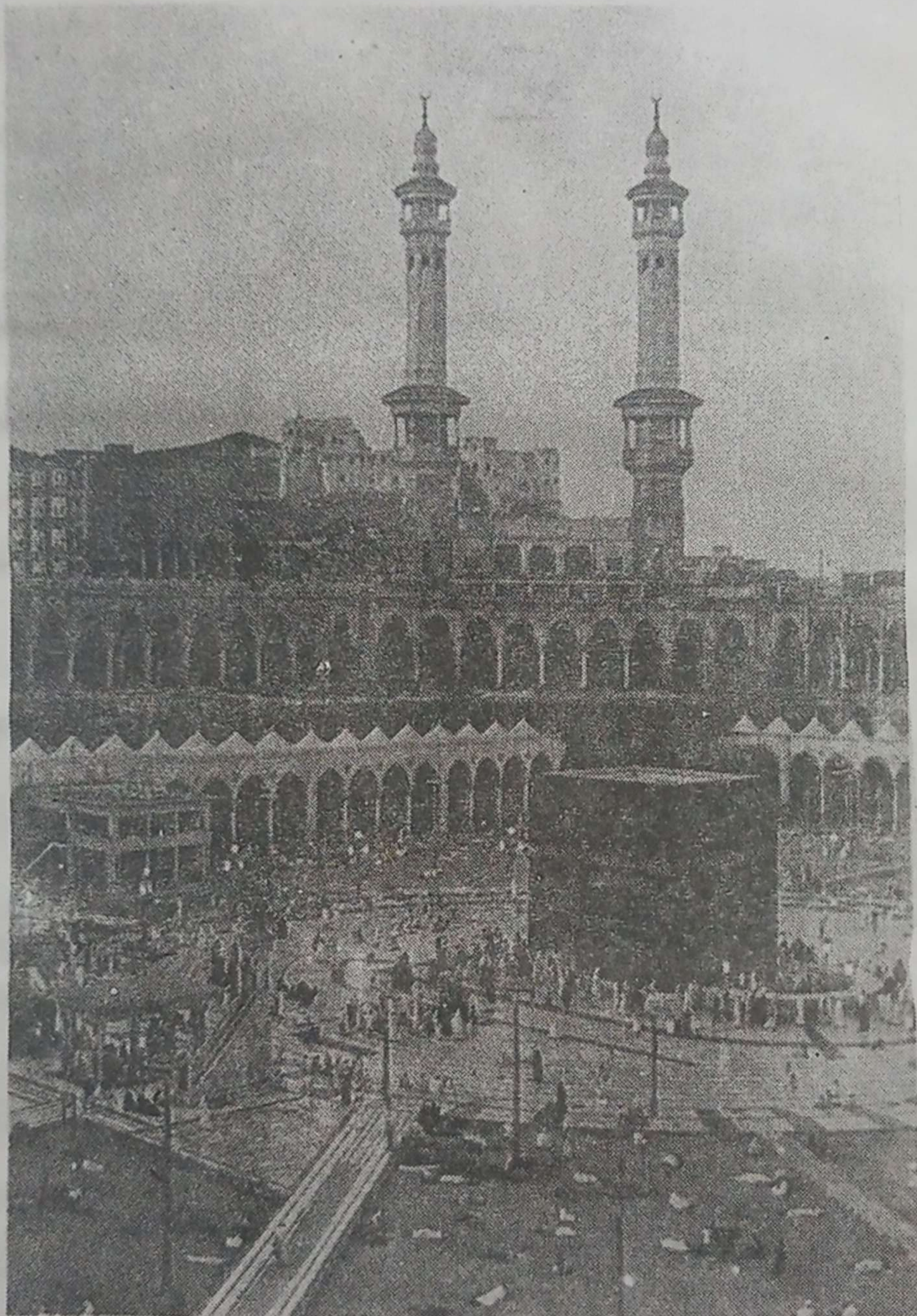
ماڈرن بک ڈپو
میلوڈی مارکیٹ۔ اسلام آباد



کتاب آسمان گواہ رہنا
مصنفہ رفعت گل
خطاطی سرورق رشید بٹ
کمپوزنگ پرویز بخاری
سرورق تزئین حمید ساغر
ناشر سید ذاکر شاہ
سال اشاعت جنوری 1994ء
قیمت عام ایڈیشن 36 روپے
لائبریری ڈیلیکس ایڈیشن 72 روپے



ماڈرن بک ڈپو، اسلام آباد، لاہور







اللہ ہی کی ذات باقی رہے گی۔ اور سب
کچھ فنا ہو جائے گا

ڈاکٹر رشید امجد

....

پچھلے چند برسوں سے سفر نامے نکلنے کی رفتار خاصی تیز ہے اور اچھے اور برے ہر طرح کے سفر نامے لکھے جا رہے ہیں۔ بنیادی طور پر تو سفرنامہ سفر کے تاثرات و مشاہدات کا آئینہ دار ہوتا ہے لیکن اردو سفر نامے میں بیانیہ کہانی، منظر نگاری، آپ بیتی اور دو دنیاؤں یا دو مختلف سماجوں کا تقابلی مطالعہ سبھی کچھ شامل ہے یوں اب سفر نامہ صرف سفر کی روداد نہیں رہا بلکہ ایک سماجی اور تہذیبی بلکہ بعض اوقات سیاسی نظام کا مطالعہ بھی ہوگیا ہے۔ یوسف خان کمبل پوش نے اپنے سفرنامے "عجائبات فرنگ" میں پہلی بار داستانی عنصر شامل کر کے اس کی دلچسپی میں اضافہ کیا بعد کے اہم سفرنامہ نگاروں میں خواجہ حسن نظامی، قاضی عبدالغفار، قاضی ولی محمد اور شیخ عبدالقادر نے سفرنامے کے کینوس میں وسعت پیدا کی اور محمود نظامی تک آتے آتے سفرنامہ سفری روداد سے بہت آگے نکل کر ایک تاریخی و تہذیبی تقابلی مطالعے کی حدود میں داخل ہوگیا محمود نظامی کا سفر دوہری سطح پر جاری رہتا ہے یعنی ایک تو مقامات ومناظر کی ظاہری تصویر کشی اور دوسرے تاریخی حوالوں سے اس مقام کی تہذیبی بازیافت۔ رفتہ رفتہ بہت سے لوگ اس صنف کی طرف راغب ہوئے اور اختر ریاض الدین، ممتاز مفتی جمیل الدین عالی، ابن انشاء نے اردو سفرنامے کو ایک اعتبار اور وسعت عطا کی۔ پچھلے چند برسوں میں مستنصر حسین تارڑ نے اردو سفر نامے کو مقبول بنانے اور اس میں ایک ادبی معیار قائم کرنے میں اہم کردار ادا کیا ہے

اردو سفرنامے کی اس روائیت میں رفعت گل کا سفر نامہ ایک نئے نام کا اضافہ ہے اس کے اس سفرنامے میں دیار حبیب صلی اللہ علیہ والیہ وسلم کی صرف منظر کشی نہیں بلکہ ایک عقیدت اور احترام کے ساتھ کھلی انکھ سے چیزوں کو دیکھنے اور ان کو سمجھنے کا رویہ ہے۔ اچھا سفر نامہ صرف منظر نگاری یا جغرافیائی تعارف تک محدود نہیں ہوتا بلکہ جگہ کو اس کے پورے سیاسی ثقافتی اور سماجی مزاج کے ساتھ دیکھنے اور سمجھنے کا عمل ہے رفعت گل کے اس سفرنامے میں یہی رویہ انفرادیت کا سبب بنتا ہے اس نے جس طرح مناظر، لوگوں، مقامات اور اشیاء کو دیکھا اور سمجھا ہے اور جس تخلیقی لگن کے ساتھ اسے ہم تک پہنچایا ہے وہ اہم ہے ۔ اس سارے عمل میں ایک گہری نظر اور مشاہدہ کرنے والی شخصیت کا احساس ہی نہیں ہوتا بلکہ ایک وسعت قلبی کا پتہ ہی چلتا ہے۔ احترام وعقیدت کے ساتھ ساتھ کھلی نظر بلکہ وسعت نظر سے اشیاء کو اس طرح دیکھنا کہ ان کا سیاق وسباق واضح ہوجائے ایک مشکل مرحلہ ہے رفعت گل اس مرحلہ سے نہ صرف یہ کہ بخوبی گزری ہے بلکہ اسے لفظوں کا جامہ پہناتے ہوئے بھی اعتدال کو برقرار رکھ سکی ہے اس کے اسلوب میں ایک روانی اور لفظوں اور جملوں کی بناوٹ میں سلاست ہے اچھی نثر کی پہلی خوبی یہ ہے کہ اس میں اس طرح کی ایک شگفتگی ہو کہ قاری اس کے ساتھ بہتا چلا جائے۔ اس سفرنامے میں زبان و بیاں کی ایسی خوبیاں موجود ہیں کہ ایک دفعہ شروع کرکے مکمل کئے بغیر چھوڑنے کو جی نہیں چاہتا ۔ نئے سفرنامہ نگاروں بلکہ نثرنگاروں میں رفعت گل کی آمد ایک تازہ ہوا کا جھونکا اور خوشبو کا احساس دلاتی ہے۔



جہاز لاہور ایئر پورٹ پر اتر گیا اور اب اسے اگلی منزل کی طرف ایک گھنٹہ کے بعد محو پرواز ہونا تھا۔ میں پشت سے ٹیک لگا کر لبیک الھم لبیک کا ورد کرتے ہوئے جہاز کے ٹیک آف کا انتظار کرنے لگی میری پشت دروازے کے ساتھ تھی۔ امی میرے ساتھ والی نشست پر تھیں جبکہ ابو کو دو نشست پیچھے جگہ ملی تھی دروازہ کھلا تو پہلے صفائی والے آئے اس کے بعد کیٹرنگ کا عملہ اگلے سفر کے لئے زاد سفر رکھنے لگا اور جب جہاز کا عملہ داخل ہوا تو ایک انبساط آمیز متجس احساس ابھرا کہ جہاز نئی منزلوں کی طرف روانہ ہونے والا ہے۔ دو بڑی خوبصورت اور شفاف چہروں والی ایئر ہوسٹیس ہمارے کیبن کی طرف بڑھیں ایک نے آتے ہی مسکراہٹ سے خوش آمدید کہا مجھے اس کا یہ انداز اچھا لگا میں نے بھی جواباً اسے مسکراہٹ سے Wish کیا۔

جہاز ارض مقدس کی طرف روانہ ہونے کے لئے پر تول رہا تھا اور اب بظاہر کوئی مشکل باقی نہ تھی لیکن میرے دل میں خوف اور خدشے بدستور تھے ہمیں لاہور کے اس ایئر پورٹ تک پہنچنے میں کئی دشواریوں سے گزرنا پڑا تھا جب میں اور میری امی دونوں پشاور پہنچے' جہاں سے ہمیں جدہ کی فلائٹ پکڑنی تھی اتفاق سے اس دن ملک بھر بابری مسجد کے سانحے کے خلاف احتجاج کی زد میں تھا۔ چنانچہ تمام کاروباری حلقوں میں ہڑتال کے سبب وہ بہت سی چیزیں جو ہمیں پشاور سے خریدنا تھیں خطرے میں پڑ گئیں۔ ہم نے عمرے کے لئے سفید سوٹ تو بنوا لئے تھے مگر سفید چادریں وہاں سے خریدنی تھیں چنانچہ جب ابو کو بتایا گیا تو وہ شدید ناراض ہوئے لیکن دوسری طرف خود انہوں نے ابھی تک اپنا احرام نہ خرید تھا' تاہم کسی نہ کسی طرح یہ مرحلہ طے ہوا آخری دن پر چھوڑے ہوتے کاموں میں یہ بھی تھا کہ ابو کو فارن ایکسچینج بھی لینا تھا پاکستانی روپوں کے ساتھ سعودیہ کا سفر گھاٹے کا سودا تھا بھاگ دوڑ کے نتیجے میں یہ مسئلہ بھی حل ہوا اور ابو نے ایک ہزار ریال کا بندوبست کر لیا اور طے پایا کہ باقی کرنسی سعودی عرب پہنچ کر کیش کروالیں گے۔ ابھی

ان مسائل سے عہدہ براہ ہوئے تھے کہ جہاز کی سیٹوں کا مسئلہ درپیش ہوا کیوں کہ ہماری سیٹیں کنفرم نہیں تھیں ہمیں 6.00 بجے ایئرپورٹ پہنچا تھا 5.30 بج رہے تھے اور بدستور تذبذب کی کیفیت طاری تھی۔ بہرطور روانہ ہونا تھا چنانچہ مغرب کی نماز اور نوافل کی تیاری کر رہے تھے کہ میرے چھوٹے بھائی عقیل نے آکر یہ ڈرا دینے والی خبر سنائی کہ سعودی عرب والوں نے ہیلتھ کارڈ اور ییلو فیور ویکسی نیشن کی پابندی لگا دی ہے ابو نے ہنستے ہوئے کہا کہ یہ سعودی لوگ بھی بڑے چالاک ہیں جس طرح ہم ییلو کیپ، ییلو کوچ، ییلو ٹریکٹر کی طرف بڑھ رہے ہیں انہوں نے یہ اندازہ لگا لیا ہے کہ یہ قوم اب ییلو فیور کی شکار ہو چکی ہے ییلو نیس کے جراثیم ان کے ساتھ سعودی عرب میں داخل نہ ہو جائیں اور پھریوں بھی اس قدر امریکی وہاں موجود ہیں کہ کسی دوسری فیور کی ضرورت بھی نہیں ہے۔ بہرطور یہ اطلاع ہمارے لئے خاصی تشویش ناک تھی کیوں کہ وقت اتنا گزر چکا تھا کہ اب ویکسی نیشن یا کارڈ کا حصول کسی طرح ممکن نہ تھا دوسری طرف یہ خطرہ موجود تھا کہ سعودی عرب امیگریشن سب کے ساتھ تو رعایت کر سکتے ہیں مگر پاکستانیوں کے لئے ان کی کتاب میں رعایت کا کوئی لفظ نہیں۔ عربوں کو دیکھ کر خدا کی حکمت کا قائل ہونا پڑتا ہے کہ اللہ پاک نے ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر یہاں ہی کیوں اتارے تھے۔ بہرطور کوشش بسیار کے بعد بھی جب کارڈ نہ ملے تو یہ فیصلہ کر لیا کہ ہم ضرور جائیں گے اگر خداوند کریم اور اس کے حبیب نے شرف باریابی بخشا ہے تو دنیا کی کوئی طاقت ہمیں نہیں روک سکتی اور اس وقت ہم لاہور کے ایئرپورٹ پر آنے والے لمحات کے لئے تیار تھے۔

خوشی، حیرت، خوف اور منزل پر جلد پہنچنے کا تجسس ذہن میں گھر کر گیا تھا اور کانوں میں ہوائی میزبان کی وہ دعا گونج رہی تھی جو نبی اکرمؐ سفر پر روانہ ہونے سے قبل پڑھتے تھے اور اس اچھی روایت کو پی آئی اے والوں نے بھی اپنا لیا تھا۔

"شکر اس ذات کا جس نے مجھے ایک بہترین امت
میں پیدا کیا جو لوگوں کی (ہدایت اور بھلائی)
کے لئے پاک ہے وہ ذات جس نے مسخر کیا
ہمارے لئے اس (جانور) کو جسے ہم
قابو کرنے کی طاقت نہ رکھتے ہم اپنے
پروردگار کی طرف لوٹنے والے ہیں اور
تمام تعریفیں اللہ تعالی کے واسطے ہیں جو سارے
جہانوں کا پالنے والا ہے۔"

دعا کے بعد ایئر ہوسٹس کی آواز گونجی کہ ہم دس ہزار میٹر کی بلندی پر سفر کرتے ہوئے چھ گھنٹوں میں جدہ کے بین الاقوامی ایئرپورٹ پر پہنچیں گے ساتھ ہی بیلٹ باندھنے کی ہدایت کی گئی اور اس توقع کا اظہار کیا گیا کہ ہمارا سفر خوش گوار گزرے گا۔ مستقبل کا حال کون جانتا ہے مگر ہم خوشگوار سفر کے لئے کتنے ہی ناخوشگوار لمحوں سے گزرے تھے خود کو حال و مستقبل کی امید بیم سے نکالا اور عمرے کی کتاب نکال کر دعائیں یاد کرنے لگے، اسی لمحے جہاز نے رن وے پر دوڑتے دوڑتے کسی بڑے سے گدھ کی طرح اپنے پر پھیلائے اور خود کو فضاؤں کے سپرد کر دیا۔ بے اختیار دل اور زبان کی آواز ایک ساتھ لبیک الھمہ لبیک پکار رہی تھی۔ جہاز آہستہ آہستہ اپنی بلندی پوری (Hight gave) کرنے کے بعد اب سیدھا اور پرسکون ہو گیا تھا۔ فضائی میزبان اپنے مہمانوں کے سامنے عشائیہ رکھنے لگیں جب وہ اس کام سے فارغ ہوئیں تو دونوں ایئر ہوسٹس سامنے والی سیٹ پر آکر بیٹھ گئیں۔ انہوں نے مجھے اور امی کو جو سفید لباس میں تھیں۔ تعارف کے لئے پوچھا عمرہ؟۔ میں نے سر ہلا کر جواب دیا اور پھر باتوں کا سلسلہ سفر کے ساتھ ساتھ دراز ہوتا گیا۔ ان میں سے ایک کا نام نجمہ اور دوسری کا نبیلہ تھا دونوں لڑکیاں چاہتی تھیں

کہ وہ بھی عمرہ ادا کر سکیں، مگر محرم اور عمرے کے لباس کی عدم موجودگی کے سبب ان کے لئے ممکن نہ تھا چنانچہ انہوں نے عہد کیا کہ وہ جب بھی دوبارہ اس روٹ پر آئیں عمرہ ضرور ادا کریں گی۔ باتوں باتوں میں چھ گھنٹوں کا سفر طے ہوا اور ابھی جہاز نے اپنی بلندی کو کم کرنے کی کوششوں کا آغاز کیا تھا کہ دونوں لڑکیوں نے امیگریشن کارڈ تقسیم کرنے شروع کر دیئے۔ امیگریشن کارڈ پر کرتے ہوئے یہ بات نہایت دکھ کے ساتھ محسوس ہوئی کہ محنت مزدوری کے لئے جانے والے اکثر پاکستانی مزدوروں کو اس مرحلے پر نہایت ہی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ امیگریشن کارڈ انگریزی اور عربی میں ہوتے ہیں اور اکثریت ان پڑھ لوگوں کی ہوتی ہے جہاز کا عملہ اس ضمن میں ان کی کوئی مدد نہیں کرتا پھر ان کے لئے یہ کسی طرح ممکن بھی نہیں ہے کہ وہ اپنا کام چھوڑ کر کارڈ بھرنے لگے، چنانچہ حکومت کو چاہیے کہ ایسے مسافروں کے لئے روانگی کے مقام پر فارم تیار کر دیئے جائیں۔ یہ مجھے اس لئے احساس ہوا کہ میرے ابو نے 30، 35 کارڈ بھرے تھے اور ابھی کئی لوگ کارڈ لئے ابو کی سیٹ کے گرد کھڑے تھے۔ ان کے چہرے سے اب بے زاری ٹپکنے لگی تھی اور جہاز اترنے کی پوزیشن میں تھا کچھ کارڈ میں نے لے لئے اور جلدی جلدی کارڈ بھرنے لگیں۔

میں نے باہر دیکھا ایک گپ اندھیرا تھا، مگر رفتہ رفتہ جہاز روشنیوں کے ہالے میں ڈوبنے لگا۔ کپتان نے جہاز کے اترنے کی نوید سنائی اور پھر دیوہیکل جہاز ایک جھٹکے سے زمین پر اتر گیا۔ انجنوں کے تیز شور نے چند ساعتوں کے لئے ذہن پر ناخوشگوار اثر ڈالا، مگر زمین کی کشش نے جلد ہی اس اثر کو زائل کر دیا۔ جہاز آہستہ آہستہ چلتا ہوا بالآخر رک گیا۔ دروازے کھلے ہم جہاز سے اتر کر جہاز نما بس میں سوار ہوئے اور جب بس رکی تو ہماری نظروں کے سامنے ٹرمینل کی بلڈنگ تھی، جہاں دور سے ہی افراتفری اور نفسانفسی کا عالم نظر آیا۔ جب ہم لاؤنج میں داخل ہوئے تو ایک عجب منظر دیکھا۔ پی آئی اے کی

یونیفارم میں ایک شخص مسافروں سے ان کی قومیت پوچھ رہا تھا جونہی کوئی خود کو پاکستانی کہتا پی آئی اے کا یہ شخص اسے بھیڑ بکری کی طرح ہانکا دے کر ایک طرف دھکیل دیتا۔ میں سوچنے لگی، اس شخص کی ملازمت صرف اس لئے قائم ہے کہ پاکستان کا جہاز یہاں اترتا ہے، مگر اس کی آنکھوں میں غالباً ریال کی چمک نے پاکستانیوں کے لئے عزت و توقیر کے سارے چراغ گل کر دیئے تھے۔ تاہم ہم اس کے اشارے پر ایک طرف کو ہو لئے اور ایک لمبی قطار میں کھڑے ہو گئے جس کے سرے پر شیشے کے کیبن تھے جس میں ایک سعودی بیٹھا کاغذات کی پڑتال کے بعد انٹری ویزا دے رہا تھا اس کی ست روی دیکھ کر خیال آیا، گو عربوں کی سرزمین سے تیز رفتار جمبو نے اونٹوں کو فارغ کر دیا تھا، مگر اونٹوں کی ست روی عربوں کی نفسیات اور عادات کا حصہ بن چکی ہے۔ تاہم اللہ اللہ کر کے ہماری باری آئی، میں نے اپنا پاسپورٹ اور دیگر کاغذات کاؤنٹر پر رکھے۔ کاغذات کی پڑتال کے بعد اس نے ویزا سٹمپ کر دیا، میرے بعد امی نے کاغذات دیئے، مگر جب ابو کی باری آئی تو اس نے کاغذات اور پاسپورٹ واپس کر دیا۔ ہم ایک دم سے پریشان ہو گئے ابو واپس گئے ایک میز سے فارم لیا اور اسے پر کر کے دوبارہ قطار سے ہوتے ہوئے اس کے پاس پہنچے اس نے ویزے پر انٹری سٹمپ کی اور ابو ہمارے پاس آ گئے۔ معلوم ہوا کہ ابو نے انگریزی کے ساتھ عربی میں بھی فارم پر کیا تھا، جو امیگریشن آفسر کے مزاج پر گراں گزرا۔ تاہم اب ہم ایک بڑے ہال میں داخل ہو گئے، میں اور امی تو فریش روم کی طرف چل دیئے تاکہ وضو کر سکیں ابو باہر کھڑے ہمارا انتظار کرنے لگے دس پندرہ منٹ کے بعد جب ہم دوبارہ ہال میں پہنچے تو ہماری نظر کسٹم کلیرنس کے دروازے پر پڑی، شاید اس سے زیادہ عبرت ناک منظر میں نے کبھی دیکھا نہ تھا۔ پاکستانیوں کا سامان چاروں طرف بکھرا پڑا تھا، جو بند تھا اسے کتے سونگھتے پھر رہے تھے۔ ایک افراتفری کا منظر تھا۔ جہاں ہم کھڑے تھے اس کے قریب ہی ایک کاؤنٹر پر چند کسٹم آفسر بیٹھے تھے وہاں لوگ نہیں تھے ان میں سے ایک

نے ابو سے پوچھا کہ کسٹم چیک کرانا ہے ابو نے مسکراتے ہوئے جواب دیا ہاں مگر......

اس نے کہا لاؤ ابو نے اپنا پاسپورٹ اور اپنا وزٹنگ کارڈ دیا اس نے سامان پر ایک نظر ڈالی جو ایک بیگ پر مشتمل تھا اور ہمیں کلیر کر کے باہر جانے کی اجازت دے دی ہمیں اس پر شدید حیرت ہوئی اور ہم پہلے پاکستانی تھے جو ہال سے باہر نکلے تھے مجھے یوں لگا جیسے خداوند کریم اور اس کے حبیب کا ہم پر سایہ خاص ہے' کہ ہر جگہ مشکل بنتی اور خود بخود حل ہوتی چلی جا رہی تھی۔ سعودی کسٹم کا نام سن کر کمزور دل کے لوگ حج کا ارادہ ترک کر دیتے ہیں مگر ہم پر خدا نے کرم کیا اور نہایت ہی عزت کے ساتھ دیار حبیب میں داخل ہوئے۔

باہر ایک ہجوم تھا اپنے اپنے مہمانوں کو لینے والوں اور مکہ مکہ چلاتے ٹیکسی اور بسوں والوں کا ہمیں بھی کئی ٹیکسی ڈرائیوروں نے گھیرا جن میں سے زیادہ تر پاکستانی تھے۔ ایک ٹیکسی ڈرائیور جس نے پہلے اردو اور پھر پنجابی میں بات چیت شروع کی 100 ریال کا تقاضا کیا جب ابو نے کم کرنے کے لئے کہا تو کہنے لگا سعودی ڈرائیور 135 ریال لے گا۔ میں کم مانگ رہا ہوں خیر 100 ریال پر سودا ہوا جو پاکستانی کرنسی میں 750 روپے بنتے تھے ٹیکسی میں بیٹھے اور ٹیکسی جدہ کی خوبصورت سڑکوں پر دوڑنے لگی۔ ابو نے ڈرائیور سے کہا کہ ایئرپورٹ پر بڑی سختی ہے اس پر ڈرائیور بتانے لگا کہ اس سختی کے باوجود پاکستان سے افغانی باشندے ہیروئن سمگل کرتے ہیں چونکہ ان کے پاس پاکستانی پاسپورٹ ہوتا ہے' چنانچہ ہر پشتو بولنے والا ان لوگوں کی نظر میں مشکوک ہوتا ہے ہر جمعہ کو ایک دو اور کبھی کبھی تین چار پاکستانیوں کی گردنیں قلم کی جاتی ہیں اسے ٹیلیویژن پر دکھایا جاتا اور پاکستانیوں کی تذلیل کی جاتی ہے۔ سعودی حکام اور پاکستانی سفارت خانہ جانتا ہے کہ ان لوگوں میں زیادہ تر افغان باشندے ہیں' لیکن پاکستانی پاسپورٹ کے سبب یہ سب پاکستان کے کھاتے میں ڈال دیئے جاتے ہیں۔ اسی وجہ سے پاکستانیوں کی نسبت ہندوستانی' بنگلہ

دیشی اور جنوبی ایشیا کے دوسرے ممالک سے لوگ آرہے ہیں اور پاکستانی کم ہوتے جا رہے ہیں۔

گاڑی ایک سو چالیس میل فی گھنٹے کی رفتار سے ڈور رہی تھی ساری فضا اندھیرے کی بکل مارے سستا رہی تھی کبھی کبھی مخالف سمت سے کوئی گاڑی برق رفتاری سے دکھائی دیتی اور پھر اپنے پیچھے کچھ دیر تک سرخ بتیوں کی مدھم روشنی لہراتی ہوئی اندھیرے میں گم ہو جاتی، روشنی اور اندھیرے کی اس دوڑ میں کبھی کبھی نیند اور جاگ کے درمیان یہ احساس پورے قلبی انبساط کے ساتھ روح میں دوڑنے لگتا کہ آج ہم اس سرزمین پر ہیں جہاں کبھی اس کے قدموں کی خاک اڑتی تھی جسے لوگ آنکھوں کا سرمہ بنا لیتے تھے۔ ان لمحات میں، میں، ابو اور امی تینوں ہی اپنے اپنے خواب اور خیال و بن رہے تھے کبھی کبھی امی کے ورد کی آواز میرے کانوں سے ٹکراتی اور پھر میری روح میں ہلچل مچاتے لمحوں کے شور میں ڈوب جاتی، اچانک گاڑی رکی، تو معلوم ہوا کہ ہم ایک پٹرول پمپ پر کھڑے ہیں۔ ڈرائیور نے پٹرول کے ساتھ چار ڈبے جوس خریدے اور اس طرح سرزمین پاک پر ہماری پہلی مہمانداری ہمارے ہی ایک ہم وطن نے کی۔ ابو نے شکریہ ادا کیا اور پٹرول لینے کے بعد گاڑی دوبارہ دوڑنے لگی تو جنت ارضی کا تقدس رگ و پے میں پھر دوڑنے لگا وقت اور فاصلے ایک دوسرے میں ضم ہو گئے تھے کہ گاڑی رکنے اور ابو کی آواز نے ہمیں حال و ماضی کے مقام برزخ سے موجود کے دروازے پر لا کھڑا کیا۔ سامنے مسجد عائشہ اپنی جدید تزئین اور ماضی کی رفتوں کے ساتھ موجود تھی۔ یہاں ہم نے احرام باندھا اور نوافل ادا کرنے تھے یوں ہم نے پشاور سے چلتے وقت ہی احرام میں ملبوس تھے، مگر اب ہمیں اس خطہ ارضی میں داخل ہونا تھا جہاں بڑے بڑے شہنشاہوں کے سر جھک جاتے ہیں وہ احترام کے جس کی حد ختم ہو جاتی ہے اس سرزمین کا حق ہے میں اور امی دونوں اس حصے کی طرف روانہ ہوئیں، جہاں عورتوں کے لئے واش روم تھے، اندر داخل

ہوئے تو سامنے کمرے میں کئی خواتین زمین پر دراز نظر آئیں- ان کی رنگت اور ناک نقشہ سوڈانی یا افریقہ کے کسی مشرقی علاقے کا تھا- سامنے ایک قطار سے واش روم تھے اور ان کے باہر وضو کے لئے بیک وقت کئی چبوترے بنے تھے- ملکوں کے پیچھے قد آدم آئینے تھے جہاں یہ دیکھنا ہوتا کہ تمام بال ڈوپٹے اور عمامے سے ڈھکے ہوں اسی اثناء میں ایک خوبصورت خاتون آگئی اور اشارے سے سمجھانے لگی کہ احرام باندھنے کے بعد آئینے میں نہیں دیکھنا چاہئے' ہم نے وضو کیا اور باہر آگئے ابو احرام باندھے ہمارے منتظر تھے- خواتین کے لئے پورا لباس احرام ہے' جبکہ مردوں کے لئے صرف دو ان سلی چادریں احرام ہیں- ابو احرام میں بہت اچھے لگ رہے تھے- ہم تینوں مسجد عائشہ میں پہنچے مسجد کے بڑے ہال کو لکڑی کی جافری کی پارٹیشن سے عورتوں کی نماز کی جگہ الگ کی گئی تھی' وہاں دو نوافل ادا کئے اور عمرے کی نیت کی-

"اے اللہ میں نے ارادہ کیا عمرے کا' اس کو میرے لئے آسان کر دے اور قبول کر لے مجھ سے اور اس کے (ادا کرنے میں) میری مدد فرما اور اس کو میرے لئے بابرکت فرما- نیت کی میں نے عمرہ کی اور احرام باندھا اس کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ کے لئے"

مسجد عائشہ بہت خوبصورت مسجد ہے- کشادگی کے ساتھ ساتھ حسن و زیبائش دیدنی ہے چھت پر بڑے بڑے خوبصورت فانوس آویزاں ہیں- میں نے سوچا کاش کیمرے میں ریل ہوتی' تو اس کی تصویریں ہی بنا لیتے-

ٹیکسی دوبارہ چلی' اب اپنے رب کے حضور حاضری کا وقت قریب آگیا تھا- ہم مسلسل "تلبیہ" پڑھ رہے تھے- جیسے جیسے گاڑی آگے بڑھتی- دل کی حرکت تیز ہوتی جاتی- اب کار شہر میں داخل ہو رہی تھی- ہم دعا مانگنے لگے-

"اے اللہ یہ تیرا اور تیرے رسول پاک کا حرم ہے' پس میرے

گوشت، خون اور ہڈیوں کو آگ پر حرام کر دے۔ اے اللہ مجھے
عذاب سے محفوظ رکھ، جس روز تو اپنے بندوں کو اٹھائے گا، مجھے
اپنے ولیوں اور اطاعت گزاروں میں شامل کر دے اور میری طرف
توجہ فرما۔ بے شک تو توبہ قبول کرنے والا (اور) بڑا رحم کرنے والا
ہے"

خدا جانے کون سا جذبہ تھا جوں جوں کار آگے بڑھتی، دعا کے الفاظ لبوں کے قفل توڑ کر ابھرنے لگے اور آنکھوں سے آنسو بے اختیار ہو گئے۔ میری نظریں بڑی بے چینی کے ساتھ ان میناروں کی تلاش کر رہی تھیں جن کے بارے میں سنا تھا کہ وہ دور سے ہی نظر آنے لگتے ہیں۔ ابو کسی پرائیویٹ ہوٹل کا پتہ لے کر آئے تھے۔ جب وہ تلاش بسیار کے بعد بھی نہ ملا تو ٹیکسی ڈرائیور نے بتایا کہ حرم شریف کے قریب ہی ایک ہوٹل ہے جو پاکستانی چلاتے ہیں، آپ وہاں چلیں۔ ابو نے ہاں کر دی اور چند ہی منٹوں میں ہم دارالخوج کے سامنے کھڑے تھے۔ جلدی جلدی ڈرائیور کو فارغ کیا۔ ہوٹل والے سے مول تول کیا سامان کمرے میں رکھا اور حرم شریف کے لئے روانہ ہوئے۔ جونہی ہوٹل سے باہر قدم رکھا معاً یوں محسوس ہوا جیسے وقت صدیوں پیچھے چلا گیا ہے ہوٹل اس قدیم محلے کے سرے پر واقعہ تھا جہاں کبھی پاسبان حرم رہا کرتے تھے۔ جس کی خاک پر اب تک حضور کے قدموں کا تقدس آویزاں تھا۔ مسفلاء کا علاقہ مکی سیاست کا ایک عرصہ دراز تک مرکز رہا تھا اور پھر جب حضور کو مکی مظالم کے خلاف ہجرت کا حکم ہوا۔ تو یہی وہ علاقہ تھا، جہاں طالبان حق تجدید حق میں مصروف رہے۔ ابو نے پیچھے مڑ کر دیکھا، تو مجھے آنے کو کہا میں نے ابو سے کہا کہ ابو جی یہ گلی کبھی کس قدر تقدس کی حامل تھی، کہ یہاں حضور سرور کائنات کے ساتھ ساتھ ان کے رفقاء کے قدم خاک اڑاتے تھے۔ ابو بتانے لگے ایک بار ان کے دوست یہاں آئے اور گلیوں، سڑکوں، پہاڑ راستوں اور پگڈنڈیوں پر دیوانہ وار

پھرتے رہے۔ جب پوچھا تو بتانے لگے کہ خدا جانے حضور کے پاؤں کی خاک کا کوئی ذرا فضا میں اڑتا ہوا میری سانس کا حصہ بن جائے۔ میں نے جلدی جلدی لمبے لمبے سانس لئے اور زیرِ تعمیر پل کے نیچے سے گزرنے لگے، جہاں سے آگے وہ حرم پاک کی شمع روشن تھی، جس سے کسب فیض کے لئے کروڑوں بے نور آنکھیں روشنی حاصل کرتی ہیں اور صدیوں سے حاصل کر رہی ہیں۔

رات ڈوب چکی تھی اور اپنے آخری نصف میں سفر طے کر رہی تھی حرم پاک روشنیوں میں ڈوبا نظر آیا ہمیں باہر ہی سے یہ احساس ہو گیا کہ خانہ کعبہ کے باہر تعمیر کا کام ہو رہا ہے۔ جب ہم شاہ عبدالعزیز دروازے پر پہنچے تو ہمیں وہاں تک پہنچنے کے لئے لوہے کا ایک پل عبور کرنا پڑا۔ اور پھر ہم بے اختیار لبیک اللھم لبیک اور حضور کی اقتداء میں ان کی مانگی ہوئی دعاؤں کو دہراتے اندر داخل ہوئے۔ چند ساعتوں کے لئے پورا منظر نامہ بدل گیا تھا۔ زمین، آسمان، موجود، گزرا ہوا، آنے والا زمانہ اور میں، امی، ابو ہر شے ایک نور میں تحلیل ہو گئی۔ نور صرف نور ..... اور جب ابو نے میرے کاندھے پر ہاتھ رکھا، تو نور کی وہ چادر جو ساری فضا پر تن گئی تھی اب مجسم میرے سامنے تھے ابو کھڑے تھے مجھے جلدی سے یاد آیا کہ ابو نے کہا تھا کہ جونہی خانہ کعبہ پر نظر پڑے وہیں رک کر دعا کرنا ہے۔ دعا مانگتے ہوئے اب آہستہ آہستہ آگے بڑھ رہے تھے، ہماری نظریں خانہ خدا پر تھیں اور یوں لگتا تھا جیسے پاؤں کے نیچے نرم و گداز روئی کے گالے بچھے ہیں اور اسی حالت میں بارہ دریاں عبور کرتے اس مقدس گھر کے سامنے کھڑے تھے، جس کو دیکھنے کی آرزو خواب و خیال کا حصہ بھی ہے۔ لبوں پر تلبیہ کا ورد جاری تھا اور بے اختیار اظہار تشکر کے لیے کہ خداوند کریم نے ہمیں یہ دن نصیب کیا، سجدے میں گر گئے۔

اب ہم حجر اسود والے کونے کے سامنے تھے ہمارے روبرو وہ پتھر تھا جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اسے جنت سے لا کر یہاں گاڑا گیا ہے رات کے اس پہر بھی ایک ہجوم

طالبان حق اللھم لبیک کی آواز پر دیوانہ وار چکر لگاتا تھا ہم نے عمرے کی نیت باندھی۔

"اے اللہ میں نیت کرتا ہوں طواف کرنے کی تیرے مقدس گھر کا"
پس تو اسے آسان بنا دے مجھ پر اور انہیں میری طرف سے قبول
فرما۔ ان سات چکروں کو جو تجھ یکتا عزوجل کی خوشنودی کے لئے
اختیار کرتا ہوں"

ہجوم زیادہ ہونے کے سبب ہمیں حجر اسود تک پہنچنے کا موقع نہ ملا، چنانچہ دور سے ہی نیت اور ہاتھ اٹھا کر اشارے سے حجر اسود کو بوسہ دیا اس طرح اشارے سے بوسہ دینے کو اسلام کہتے ہیں اور اس دعا کے ساتھ طواف کا آغاز کیا۔

بسم اللہ اللہ اکبر واللہ الحمد

شروع اللہ کے نام سے اللہ سب سے بڑا ہے
اور سب تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں

حجر اسود سے دائیں طرف اپنے طواف کا آغاز کرکے ہم مخصوص دعائیں پڑھتے ہوئے رکن یمانی تک پہنچے اور حجر اسود اور رکن یمانی کے درمیان

ربنا اتنا فی الدنیا حسنتہ وفی الآخر
حسنتہ وقنا عذاب النار

پڑھتے ہوئے ایک چکر پورا کیا اور اسی طرح مختلف دعائیں پڑھتے ہوئے ہم نے سات چکر، پورے کئے پھر ہم مقام ملتزم کے سامنے آکر کھڑے ہوئے مقام ملتزم، حجر اسود اور بیت اللہ شریف کے درمیانی علاقہ ہے ویسے تو خانہ خدا کا چپہ چپہ اپنی رحمتوں اور برکتوں کے لئے عظیم ہے۔ مگر چند مقامات کا بطور خاص ذکر ہے، جن میں مقام ملتزم اور میزاب رحمت شامل ہیں۔ سنا ہے کہ اس مقام پر مانگی جانے والی دعا کبھی غیر مستجاب نہیں رہتی۔ ابو مقام ملتزم تک پہنچ گئے، اس کے بعد ہم نے مقام ابراہیم پر دو نفل ادا کئے، دعا

مانگی اور اس مقام کی طرف چل دیئے، جہاں آب رحمت کے چشمے نہیں بلکہ دریا بہہ رہے تھے۔ صدیوں سے اربوں کھربوں انسانوں کی پیاس بجھانے کے باوجود یہ چشمے ہیں کہ سمندروں جیسی وسعت کے ساتھ ہر آنے والے کے لئے بے چین رہے ہیں میری مراد آب زم زم سے ہے، ہم آگے بڑھے خانہ کعبہ کی سطح سے نیچے آب زم زم کے چشمے ہیں جہاں نلکوں کے ذریعے آب زم زم ارزانی ہے میں سوچنے لگی کہ کبھی کوئی عزیز یا ملنے والا حج یا عمرہ کرکے آتا، تو وہ اکی چھوٹی سی پلاسٹک کی شیشی میں آب زم زم ڈال کر تحفتاً ہمارے گھر بھجواتا، تو ہم بڑے جگ کو پانی سے بھر لیتے اور پھر اس میں آب زم زم انڈیل کر ہفتوں پیتے رہتے۔ اب میرے سامنے آب زم زم کا بے پناہ سمندر تھا میں بے اختیار آگے بڑھی اور گلاس بھر بھر کر پینے لگی ساتھ ہی بے تابہ اپنے منہ اور ہاتھوں پر ڈالتی رہی۔ یوں لگتا تھا جیسے صدیوں کی پیاس بجھ رہی ہو خاصی دیر تک میں اور امی دونوں آب زم زم سے لطف اندوز ہوتے رہے۔

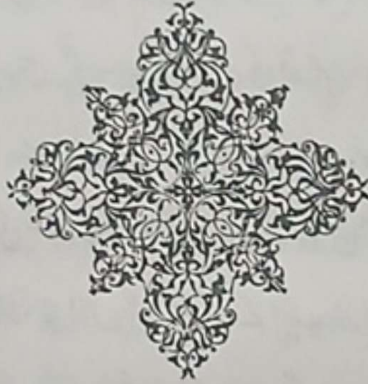
معاً مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میں لق و دق صحرا میں کھڑی ہوں، دور دور تک کوئی سایہ نہیں حلق میں کانٹے پڑ رہے ہیں۔ پانی کی بوند بھی نہیں یکایک کیا دیکھتی ہوں کہ ایک نرم و نازک خاتون ننگے پاؤں دوڑتی سامنے آتی ہے اور پھر جھانکتی ہے اور پھر دوسری طرف چلی جاتی ہے۔ میری نظر ایک آواز کا تعاقب کرتی ہیں جہاں ایک ننھا سا بچہ اپنے پاؤں زمین پر مارتا ہے اس کی ایڑھی جہاں پڑتی ہے وہاں سے چشمہ پھوٹ پڑتا ہے، شاید قدرت کو اس نرم و نازک خاتون پر ترس آگیا تھا جو اپنے معصوم بچے کے لئے چند قطرے پانی کی تلاش میں بے یارو مددگار دوڑ رہی تھی۔ پانی کو دیکھ کر وہ دوڑتی ہوئی آئی اس نے دونوں ہاتھوں کو کٹورا بنا کر پانی بھرا اور اسے بچے کے منہ میں انڈیل دیا، بچہ روتا ہوا چپ ہوا، پھر اس نیک خاتون نے خود پانی پیا اور میری طرف دیکھ کر اشارے سے کہنے لگی، تم بھی لے لو میں بے اختیار آگے بڑھی اور دونوں ہاتھوں کے کٹورے میں پانی بھر کر پینے

گی اور معاً کسی نے میرے کاندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔ امی کہہ رہی تھیں چلو تمہارے ابو اوپر انتظار کر رہے ہوں گے جب ہم چالیس پچاس سیڑھیاں طے کرکے اوپر پہنچے تو مجھے یوں لگا جیسے ہم اصحاب کہف میں سے ہیں جو صدیوں کے بعد روشنی میں آتے ہیں، مگر میں نے غور سے دیکھا تو مجھے یوں لگا کہ صدیاں گزر جانے کے بعد بھی اس غار میں اترنے والوں کے سکے کھوئے نہیں ہوتے نہ Devalue ہوتے ہیں۔ ان کی قیمت بڑھ جاتی ہے شاید یہی سبب ہے کہ ہم صفا اور مروہ کے درمیان اسی تجسس، اسی تقدس، اسی جذبے اور اسی عقیدے کے ساتھ دوڑ رہے ہیں۔ جس کا اظہار صدیوں پہلے حضور سرور کائنات اور ہزاروں سال قبل آل ابراہیم نے کیا تھا۔ صفا اور مروہ کے درمیان سات چکروں کا آغاز کرتے ہوئے مجھے بے پناہ طمانیت محسوس ہو رہی تھی اور مجھے وہ لوگ لاعلم نظر آئے جو عورتوں کو مردوں سے کمتر جانتے ہیں۔ اسلام کا اہم ترین رکن حج ہے اور حج کا اہم ترین رکن صفا و مروہ کے درمیان طواف ہے اور یہ طواف ایک عورت کی اقتداء میں تھا وہ عظیم عورت خلیل اللہ حضرت ابراہیمؑ کی زوجہ اور ذبیح اللہ حضرت اسماعیل کی والدہ حضرت ہاجرہ تھیں۔ ایک عجب احساس تمکنت مقام صفا پر کھڑے ہو کر خانہ کعبہ کی طرف نظر ڈالتے ہوئے اور سعی کی نیت کرتے ہوئے محسوس ہوا۔ خانہ کعبہ کی طرف دونوں ہاتھ اٹھاتے اور مروہ کی طرف دعائیں پڑھتے ہوئے چلنے لگے۔ ایک عجب احساس میری روح میں جاگزیں تھا یوں لگتا تھا جیسے پیاسے طالبان حق حضرت ہاجرہ کے پیچھے پیچھے دوڑ رہے ہیں ہر چہرے پر نور کی تمکنت تھی۔ صفا سے مروہ اور مروہ سے صفا کے درمیان یوں تو فاصلہ کم نظر آتا ہے مگر چلتے ہوئے محسوس ہوتا ہے کہ فاصلہ کم نہیں ہے، لیکن جب وہ پورا منظر نظروں کے سامنے آتا ہے، جب ایک نرم و نازک عورت تن و تنہا بے سایہ خشک پہاڑیوں کے درمیان ننگے پاؤں دوڑ رہی تھی اور آج اسی روایت میں ننگے پاؤں ہم دوڑ رہے ہیں اس منظر کے نظروں کے سامنے آتے ہی صف و مروہ کے فاصلے بھی سمٹ

جاتے ہیں اور وقت بھی کسی نکتے پر اٹک سا جاتا ہے۔ ہم ابھی ساتویں چکر میں ہی تھے کہ اذان کی آواز بلند ہوئی۔ یکایک ایک عجیب میٹھا سا احساس روح کی گہرائیوں میں اترنے لگا کتنی خواہش تھی یہاں اذان کی آواز سننے کی، میں نے اور امی نے یک دم خانہ کعبہ کی طرف دیکھا جیسے ہم اس شخص کو دیکھنا چاہتے ہوں جس نے خانہ کعبہ کی چھت پر چڑھ کر پہلی اذان دی تھی۔ اذان کے خاتمے کے ساتھ ہی ہمارے سات چکر پورے ہوئے۔ ابو نے ایک شخص سے قینچی لے کر اپنے اور ہمارے تھوڑے سے بال تراشے اور ہم واپس خانہ کعبہ کے بالکل سامنے آکر بیٹھ گئے ہم نے خواتین کی صفوں میں مقام ملتزم سے کچھ فاصلے پر جگہ لی، جبکہ ابو مقام ابراہیم تک چلے گئے۔ رات بھر کے سفر، طواف اور سعی کے بعد بھی نہ تو جسم میں تھکاوٹ تھی نہ ذہن پر غنودگی یوں لگتا تھا جیسے زمانے بھر کی تازگی اور توانائی روح میں سما گئی ہو، ہم نوافل ادا کرنے لگے ابھی ہم نوافل میں مصروف تھے کہ اذان کی آواز دوبارہ سنائی دی تاہم کچھ دیر بعد امام کعبہ کے پیچھے فجر کی نماز ادا کی۔ ابھی ہم خود کو دعا مانگنے کے لئے تیار کر رہے تھے کہ دوبارہ لوگ کھڑے ہوئے اور امام صاحب نے تین تکبیریں پڑھیں۔ مجھے بڑی حیرت ہوئی اسی اثناء میں ابو آگئے تو امی نے اس بارے میں پوچھا، تو ابو نے بتایا کہ پہلی اذان تہجد کی تھی، دوسری فجر کی اور بعد میں نماز جنازہ کی تین تکبیریں تھیں۔ ابو نے یہ بھی بتایا کہ ہر نماز کے بعد مرنے والوں کے جنازے لائے جاتے ہیں اور نماز جنازہ پڑھی جاتی ہے۔ میں نے رشک کیا کہ ہر نماز میں لاکھوں نہیں تو ہزاروں افراد ضرور ہوتے ہیں جو مرنے والے کے لئے بخشش کی دعا کرتے ہیں اور دعا بھی اس مقام پر جہاں کی آواز سننے کے لئے باری تعالی ہر وقت تیار رہتے ہیں۔

ہم آہستہ آہستہ خانہ خدا سے باہر آنے لگے اندر اس قدر روشنیاں تھیں کہ رات کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا، لیکن جب ہم باہر پہنچے تو روشنی ہولے ہولے پردہ شب سے جھانکنے لگی تھی۔ خانہ کعبہ سے باہر آئے تو یوں لگا جیسے بھوک چمک اٹھی ہو اپنے

ہوٹل کے قریب پہنچے تو گرم گرم پراٹھوں کی خوشبو نے رہی سہی کسر پوری کر دی۔ ابو ہوٹل میں گئے اور تین پراٹھے خریدے' اور لے کر اپنے ہوٹل کی طرف چل دیے۔ جہاں کچن کی سہولت موجود تھی' امی نے تازہ چائے بنائی پراٹھے اور گرم گرم چائے نے وہ مزا کیا کہ نیند حملہ آور ہونے لگی۔ پتہ نہیں روٹی اور نیند میں کیا رشتہ ہے' پیٹ بھرا ہو تو نیند بھی آنے لگتی ہے اور چائے کے آخر گھونٹ کے ساتھ ہی ہم نے اپنا اپنا بیڈ سنبھالا اور یوں لگا جیسے حجاز مقدس کی نرم و گداز ہوا لوریاں دے کر سلانے لگی ہو اور رفتہ رفتہ سارے منظر نیند کی آغوش میں ڈوبتے چلے گئے۔



میں سو کر اٹھی تو یوں محسوس ہوا کہ جیسے کھلی آنکھیں بھی خواب دیکھ رہی ہوں میں کھڑکی میں آکر سرمئی رنگ کے شیشوں سے گلی سے گزرتے لوگوں کو دیکھنے لگی، ہر رنگ اور ہر نسل کے لوگ۔ جن کو ایک ماورائی قوت مختلف رنگوں، نسلوں اور عقیدوں سے نکال کر ایک رشتے میں پرو رہی تھی۔ یہ گلی جس کی قدیم راہوں اور بوسیدہ مکانوں کا سلسلہ ان کی قدامت کا پتہ دیتا ہے ایک دور میں بڑے بڑے سرداروں کا مسکن تھی۔ وہ لوگ جن کے خدا 365 بتوں کی صورت ان کی "حاجت روائی" کرتے اور حقیقی خدا کے منکر تھے، وہ بھی جنھوں نے 365 خداؤں کی نفی کر کے ایک خدا کی آواز پر خود کو ہر طرح کی مصیبت کے لئے تیار کر لیا تھا۔ بیٹھے بیٹھے اچانک یوں محسوس ہوا جیسے بڑے بڑے چغے پہنے غرور اور تکبر کے زہر میں لتھڑے ہوئے سردار اپنے چغوں کو رومی شہنشاہوں کی طرح زمین پر لہراتے گزر رہے ہوں۔ ان کے ہاتھوں میں کوڑے مظلوم جسموں کو زخماتے اور خدا کی نفی پر اکساتے مگر حق کا راستہ دیکھنے والوں کو کب کوئی موڑ سکا ہے۔ صدیوں کے سفر میں اب یہ بوڑھے مکان، تاریخ کے صفحات میں چند سطریں اور فتح مکہ کے وقت ان کی تذلیل کہ اب ان گلیوں میں ان جابروں کا کچھ نہ بچا تھا اور وہ جس کی جان کے درپہ تھے آج اس پر کروڑوں جانیں نثار ہیں۔

میں کھڑکی سے ہٹ کر چیزیں سمیٹنے لگی ابو اور امی ابھی باہر گئے تھے۔ میں کبھی تنہا اپنے گھر میں بھی نہیں رہی دور دراز کے اس ملک کے تنہا کمرے میں جس کی ہزاروں کہانیاں خوفزدہ کر دینے کے لئے کافی ہیں مجھے ایک ساعت کے لئے بھی خوف محسوس نہیں ہو رہا تھا۔ یوں لگتا تھا' جیسے رحمتوں اور حفاظتوں کے ہزاروں سائے میرے سر پہ سایہ فگن ہیں۔ ابھی میں وقت کے اس بحرِ بے کراں میں خداوند کریم کی ان بے پایاں نوازشوں کے بارے میں سوچ رہی تھی جو اس نے ہمیں یہاں بلا کر ہم پر عطا کیں' ابو اور امی لوٹ آئے ابو نے آتے ہی پوچھا' خوف تو نہیں آیا۔ میں نے جواب دیا کہ اتنے بڑے گھر میں جہاں چاروں طرف کرم اور مہربانی ہے وہاں خوف کیسے آسکتا تھا۔ یہیں تو تحفظ کا پورا احساس ہوتا ہے۔ ابو مسکرا دیئے اور امی ہنس کر کہنے لگیں' اس لڑکی کو ایک دن میں کتنی باتیں آگئی ہیں۔ ابو بھی ہنس دیئے۔ میں نے پوچھا کہ میں کھڑکی سے نیچے گلی میں دیکھ رہی تھی تو مجھے ان لوگوں میں عربی' بہت کم نظر آئے ہیں۔ ابو بتانے لگے' کہ جس علاقے میں ہم ٹھہرے ہیں یوں تو یہ عربوں کا ایک قدیم محلّہ ہے اور بنو ہاشم کی آماجگاہ رہی ہے' مگر اب عربی لوگ خانہ کعبہ کے علاقے سے دور جا کر آباد ہو رہے ہیں اور ان علاقوں میں زائرین کی بڑی تعداد رہتی ہے' جو حج و عمرہ کے لیے آتے' ان ہوٹلوں میں ٹھہرتے اور دس پندرہ دن میں واپس چلے جاتے ہیں۔ پھر ان ہی قریبی علاقوں میں غیر قانونی تارکین وطن بھی ٹھہرے ہوئے ہیں' یہ لوگ ہندوستان' پاکستان' بنگلہ دیش' سری لنکا' برما' سوڈان اور ایسے ہی دیگر غریب ممالک سے حج و عمرہ کے بہانے یہاں آتے ہیں اور کسی نہ کسی طرح یہیں رہنے لگتے ہیں۔ چونکہ اس علاقے میں زیادہ سختی نہیں ہوتی اس لیے ہمیں عربی کم اور تارکین وزائرین زیادہ نظر آتے ہیں۔ ابھی یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ اذان کی آواز کمرے میں لہرانے لگی۔ ابو جلدی سے وضو کرنے لگے ہم بھی تیار ہوئے اور اذان ختم ہونے سے قبل ہی ہم کمرے سے نکل آئے۔

خانہ کعبہ کی ایک بہت خوبصورت ادا جو ہمیں اچھی لگی' وہ یہ تھی کہ عورتوں کو مکمل طور پر خود کو ڈھانپنا ہوتا ہے۔ سر کو اس طرح لپیٹنا کہ سر کا ایک بال بھی نظر نہ آئے۔ اگر کسی عورت کے سر کے بال ننگے ہوں۔ تو بیت اللہ شریف کی خادمائیں جو سر تا پا سیاہ لباس میں ہوتی ہیں۔ "الحجبے الحجبے" پکارتی ہوئی آپ کی طرف بڑھے گی اور دوسری خواتین شرمندہ ہو جائیں گی۔ چنانچہ میں اور امی ہوٹل سے نکلتے ہی خود کو بڑی سی چادر میں ڈھانپ لیتے۔ ہم ہوٹل سے نکل کر ملٹی سٹوری زیر تعمیر ہوٹل کے قریب پہنچے ہی تھے کہ مختلف عمروں کی کئی نیگرو عورتوں اور لڑکیوں نے ہمیں گھیر لیا اور وہ ہمیں اردو میں سمجھا رہی تھیں۔ بھائی کبوتر۔ ان کے ہاتھوں میں گندم کی مختلف وزن کی تھیلیاں تھیں۔ ابو نے ایک تھیلی خریدی اور کوہ کے دامن میں زمین پر اکڑ اکڑ کر چلنے والے کبوتروں کے آگے اچھال دیا اور ہم تیزی سے آگے بڑھے اور لکڑی کے تختوں سے بنے پل سے گزرتے ہوئے حرم شریف میں داخل ہو گئے یہاں موجود "شرطے" بڑی تیزی سے ہر آنے والے کی تلاشی لے رہے تھے۔ ہم نے اپنی چپلیں اتار کر شاپر میں ڈالیں' اب ہمارے پیروں کے نیچے سنگ مرمر کا چکنا اور چمکتا فرش تھا۔ تمام راہداریاں اور بارہ دریاں نمازیوں سے بھری ہوئی تھیں لیکن نماز ابھی شروع نہ ہوئی تھی۔

خانہ کعبہ کے گرد عمرہ ادا کرنے والوں کا ہجوم تھا جونہی امام کعبہ کی آواز سنائی دی' طواف کرنے والوں نے طواف روکا اور جو جہاں تھا وہیں کھڑے ہو کر اس نے نماز پڑھنی شروع کر دی۔

خانہ کعبہ کے وسیع صحن میں اس وقت نماز پڑھنے کی کسی میں ہمت نہ تھی کیوں کہ چمکتا سورج خوب آگ برسا رہا تھا' لیکن طواف کرنے والوں کو خانہ کعبہ کے ٹھنڈے فرش نے اور خدا کی محبت نے حوصلہ دیا ہوا تھا۔

نماز ختم ہو گئی اور نماز کے بعد حسب معمول جنازے لائے گئے نماز جنازہ ہوئی اور

لوگ چل دیئے، مجھے اس بات پر حیرت تھی کہ بہت زیادہ لوگ خصوصاً دعا مانگے بغیر جلدی سے نماز ادا کی اور باہر چلے جاتے تھے۔ میں نے بہت کم لوگوں کو اس طرح ہاتھ پھیلا کر دعائیں مانگتے ہوئے دیکھا تھا، جس طرح ہم دعائیں مانگتے ہیں۔ شاید وہ لوگ یہ سمجھتے ہوں کہ خدا تو ہماری شہ رگ سے بھی قریب ہے اسے ہماری حاجت کا پتہ ہے پھر اس سے اس طرح ہاتھ پھیلا کر اور زبان ہلا کر کیوں مانگا جائے کیونکہ وہ تو خود دینے والا ہے اور دیتا ہے۔ یا پھر یہ وجہ بھی ہو سکتی ہے کہ خود نماز میں ساری دعائیں ہیں وہ سمجھتے ہوں کہ اس کے بعد کیا مانگنا۔ مگر ہم جو جنم جنم کے پیاسے چشمہ فیض پر پہنچ کر زیادہ حرص میں مبتلا ہو جاتے ہیں وہ سب کچھ اس سے بار بار مانگتے ہیں جو بار بار ہمیں دیتا ہے۔

نماز کے بعد میں اور امی نوافل ادا کرنے لگے، امی کی رفتار مجھ سے زیادہ ہے، قرآن پاک پڑھنے کی ان کی رفتار بھی تیز ہے۔ بلکہ جب کبھی بھی ہمارے گھر میں یا کہیں پڑوس میں "سورۃ اخلاص" کا ختم ہوتا ہے تو امی سب سے زیادہ تیز ورد کرتی ہیں، چنانچہ ابھی میں نے دس نفل ہی ادا کئے ہوں گے کہ امی سولہ نوافل ادا کر چکی تھیں۔ اسی اثنا میں ابو آ گئے۔ میں جوتوں کے ریک کی طرف بڑھنے لگی جہاں ایک شاپر بیگ میں ہم تینوں کے جوتے تھے، تو ابو نے کہا کہ آؤ ایک طواف کر لیں۔ ہم صحن کعبہ میں آئے اور حجر اسود کے سامنے کھڑے ہو کر ابو نے کہا کہ اپنے کسی مقصد کے لئے نیت کر لو۔ ہم نے نیت کی اور الھم لبیک کے ساتھ تیسرے کلمے کا ورد کرتے ہوئے مقام ملتزم کے قریب پہنچے۔ عورتوں کو مقام ملتزم کے قریب جانے کی اجازت نہیں دی جاتی، لہٰذا میں اور امی قدرے فاصلے پر کھڑے تھے اور ابو مقام ملتزم پر پہنچ گئے، جب لوگوں کا ہجوم بڑھا تو ہماری طرف لوٹ آئے اور ہم غلاف کعبہ کو چھوتے، بوسہ دیتے ہوئے اس پرنالے کے نیچے آ کر رک گئے جس کے بارے سنا ہے کہ یہاں مانگی ہوئی دعا ضرور مستجاب ہوتی ہے۔ ہم نے دعا کی اور رکن یمانی پر آ کر رک گئے۔ پھر کچھ دیر اس کے سامنے رہنے اور بوسہ دینے کے

بعد حجر اسود کے سامنے پہنچے جہاں ایک ہجوم عاشقاں مضطرب آگے بڑھنے کی جستجو میں حد ادب سے گزر چکا تھا۔ بظاہر ممکن نہ تھا کہ ہم حجر اسود تک پہنچ پائیں گے۔ کچھ دیر ہم تینوں خاموش منظر دیکھتے رہے۔ میں سوچ رہی تھی کہ اگر یہی حالت رہی' تو شاید ہم حجر اسود کو چھونے اور بوسہ دینے کی سعادت سے محروم ہی نہ رہ جائیں۔ امی بڑی عاجزی سے وہاں تک پہنچنے کی دعائیں مانگ رہی تھیں کہ اچانک ابو نے ہم سے کہا کہ اب ہماری باری ہے۔ ابو آگے بڑھے اور ان کے پیچھے پیچھے ہم تھے۔ اچانک یوں لگا کہ جس طرح خداوند کریم نے نیل کو دو ٹکڑے کر کے حضرت موسیٰ کے لئے راستہ بنا دیا ہو۔ بالکل اسی طرح مجھے محسوس ہوا جیسے دھکم پیل میں بے طرح مصروف لوگ خود بخود ہمارے لیے راستہ بنانے لگے اور ہم زور لگائے بغیر بڑی آسانی سے حجر اسود تک پہنچ گئے۔ میں جب بھی اس واقعہ کو یاد کرتی ہوں تو میری روح میں خداوند کریم کا ایک عظیم طمانیت بن کر دوڑنے لگتا ہے کہ جب تک ہم حجر اسود کے قریب رہے' اسے چھوا' خوب سیر ہو کر دیدار کیا' اسے بوسہ دیا' کسی طرف سے بھی ہم پر دباؤ نہیں تھا اور ہم جونہی باہر نکلے ایک بار پھر وہی پرانی کیفیت برپا ہو گئی۔

طواف مکمل کرنے کے بعد ہم مقام ابراہم پہنچے' نوافل ادا کئے' وہاں سے زم زم کے لئے نیچے اترے اور پھر کھانا کھانے کے لئے دوبارہ ہوٹل کو چل پڑے' راستے میں ایک ریستوران سے ابو نے ایک پلیٹ پالک گوشت' ایک پلیٹ دال' چٹنی' سلاد' سویٹ ڈش کے طور پر حلوہ اور چار بڑے بڑے نان خریدے' جس کی کل مالیت ۵ ریال تھی یعنی تین افراد کا کھانا جو ۵ آدمی بھی کھا سکتے تھے پاکستانی کرنسی میں صرف ۳۸ روپے کا آیا تھا۔

کھانا کھانے کے بعد ابو نے چائے کی فرمائش کی' امی نے خود چائے بنائی اور پھر ہم عصر کی نماز کے لئے حرم شریف کی طرف روانہ ہوئے۔ یہ فیصلہ بھی کیا' کہ عصر کی نماز کے بعد ہوٹل آنے کی بجائے حرم شریف کے اطراف میں گھوما جائے۔ سو نماز کی ادائیگی

کے بعد ہم سب سے پہلے چھپرا مارکیٹ پہنچے۔ خدا جانے یہ نام کسی پاکستانی کا دیا ہوا ہے' یا عربی زبان میں اس کے کچھ معنی بھی ہوں گے' اصل میں یہ ایک لمبا بازار ہے جس کے دائیں بائیں چھوٹی چھوٹی گلیاں ہیں' اور بڑے بازار کی طرح وہاں بھی شاپنگ سینٹر ہیں۔ شاپنگ سنٹر کا ایک طویل چکر لگانے کے بعد ہم حرم کے باب الفتح کے سامنے آئے۔ جہاں ٹیکسیاں اور پرائیویٹ گاڑیاں دستیاب ہوتی ہیں۔ ہم نے اگلے دن زیارتوں اور اس سے اگلے دن مدینہ منورہ کے لیے روانہ ہوا تھا چنانچہ مختلف گاڑیوں سے مول تول کرتے رہے' مگر کوئی بھی ڈرائیور مکہ میں زیارتوں کے لیے ۱۰۰ ریال اور مدینہ منورہ کے ۴۰۰ ریال سے کم پر آمادہ نہیں تھا۔ ہم مختلف ٹیکسیوں اور پرائیویٹ گاڑی والوں سے پوچھتے' لیکن کسی سے معاملہ طے نہ ہوا۔ اسی اثناء میں عقب سے کسی نے ابو کا نام لے کر پکارا۔ ہم پلٹے تو سامنے ابو کے دیرینہ دوست انکل راجہ رنگو احرام باندھے کھڑے تھے انہوں نے بس میں سے گزرتے ہوئے ہمیں دیکھا اور راستے ہی میں اتر گئے تھے' ہم اور انکل قریباً ۸ سال ایک ہی محلے رہے تھے' انہیں وہاں دیکھ کر بڑی خوشی ہوئی علیک سلیک کے بعد انہوں نے بتایا کہ وہ عمرہ ادا کر کے آج ہی مدینہ روانہ ہو جائیں گے ابو نے انہیں اپنے ساتھ ٹھہرنے کی دعوت دی مگر وہ جلدی میں تھے اور حرم کی طرف روانہ ہو گئے۔

سڑکوں پر گھومتے ہوئے جو بات سب سے نمایاں تھی وہ مانگنے والے فقیروں کی بہت بڑی تعداد تھی۔ سینکڑوں کی تعداد میں نیگرو عورتیں' لڑکیاں اور بچے حرم شریف کے چاروں طرف ہاتھ پھیلائے ملتے ہیں۔ ان بچوں میں جو سب سے زیادہ قابل رحم یا قابل نفرت چیز نظر آتی ہے۔ وہ اکثر بچوں کے ٹوٹے بازو یا پاؤں ہیں۔ قابل نفرت بچے نہیں' بلکہ اس فعل کے پیچھے کام کرنے والے وہ افراد ہیں جو بھیک مانگنے کے لیے بچوں کو قابل رحم بنانے کے لیے ان کے ہاتھ پیر توڑ کر انہیں اس طرح بٹھا دیتے ہیں۔ امی جب رحم کھا کر کسی بچے کو کچھ دینے لگیں تو ابو نے روک دیا' ان کا کہنا تھا' کہ یہ پیسے بچوں کے

کام نہیں آئیں گے، بلکہ جن لوگوں نے انہیں قابل رحم بنانے کے لیے ان کو معذور کیا ہے، وہی ان سے پیسے چھین کر لے جائیں گے اور پھر آمدنی زیادہ دیکھ کر دو چار بچوں کو اور معذور بنا دیں گے۔ اس طرح یہ قابل نفرت کام بڑھتا رہے گا انہیں پیسے نہ دے کر ہی ان کی حوصلہ شکنی کی جا سکتی ہے۔ ابو کی باتیں دل کو لگتی تھیں، لیکن ایک سوال اپنی جگہ تھا کہ آخر سعودی حکومت کے علم میں یہ بات کیوں نہیں کہ خانہ خدا کے سائے میں اس قدر قابل نفرت کام ہو رہا ہے۔

ہم باتیں کرتے ہوئے واپس باب السلام کی طرف آ گئے جو صفا اور مروہ کے علاقے میں کھلتا ہے۔ شام کی اذان ہوئی اور ہم حرم شریف میں داخل ہو گئے۔ مغرب کی نماز کے بعد کھانا کھانے کے بعد حرم شریف، پھر عشاء اور اس طرح شام کو رات کرنے کے لیے بار بار خانہ خدا میں حاضری نماز، نوافل اور دن گہری رات میں ڈوب گیا، تو ہم لوگ بھی اپنے کمرے میں آ کر دوسرے دن کے کام طے کرنے کے بعد نیند کی آغوش میں ڈوب گئے۔



دوسری صبح تہجد کی اذان کے ساتھ آنکھ کھلی، تیاری کی اور حرم شریف کی طرف چل دیئے۔ تہجد کے نوافل اور صبح کی نماز ادا کرنے کے بعد ہوٹل آئے تو زیارتوں کے لیے کسی ایسے ٹیکسی ڈرائیور کی تلاش شروع ہوئی، جو زیارتوں کے ساتھ تفصیل بھی بتا سکے، مگر ہماری کوششیں بار آور نہ ہوئیں اور اسی طرح ظہر کی نماز کا وقت ہو گیا نماز کے بعد ابو نے فیصلہ کیا کہ کوئی ڈرائیور کسی بھی کرائے پر ملے، نماز کے بعد ہر صورت زیارتوں پر روانہ ہونا ہے۔ جب ہم باہر نکلے تو ایک ٹیکسی والا ملا، جو انگریزی یا اردو نہ جانتا تھا اور ابو عربی..... خدا جانے کسی طرح چند جملوں سے فریکونسی سیٹ ہوئی اور معاملہ طے پا گیا اور ابو نے خوشی خوشی آکر بتایا کہ خمسہ خمسون یعنی ۵۵ ریال میں گاڑی مل گئی اور ڈرائیور مدینہ کا لگتا ہے۔ اہل مکہ کے بارے میں عام تاثر یہی ہے کہ وہ اکھڑ، ترش رو

اور آدم بے زار قسم کے لوگ ہوتے ہیں۔ مگر اس ٹیکسی ڈرائیور کا لہجہ دھیما اور چہرے پر نرمی تھی' ابو نے پوچھا تو اس نے بتایا کہ وہ مدنی ہے اور سواریاں لے کر روز یہاں آتا ہے۔ ابو نے ڈرائیور کے ساتھ فریکونسی سیٹ کرلی تھی چنانچہ دونوں کے درمیان بڑی دلچسپ گفتگو ہو رہی تھی جو نہ انگریزی میں تھی نہ عربی میں لیکن دونوں ایک دوسرے کو سمجھا سکتے تھے۔ مثلاً

ابو۔ مکی نو گڈ (Macci No Good) مدینہ گڈ

ڈرائیور: نو مکہ گڈ۔ رجال نو گڈ۔

(مکہ اچھا ہے مکہ کے رہنے والے اچھے نہیں)۔

ابو۔ نعم بٹ مدنی مور گڈ دن مکی۔

(بالکل ٹھیک ہے۔ لیکن مدنی مکیوں سے زیادہ اچھے ہیں)

ڈرائیور۔ نعم --- نعم ---- رسول رسول ----- اور باقی بات سمجھانے کے لیے اس نے مدینہ کی طرف اشارہ کردیا کہ وہاں نبی صلعم جو رہتے ہیں۔

میں اور امی ان کی گفتگو سے محفوظ رہے تھے۔ گاڑی شہر سے باہر نکلی تو پہاروں کا طویل سلسلہ نظر آیا۔ ایک جگہ ڈرائیور نے گاڑی روک دی اور بتایا کہ یہ جبل ثور ہے۔ جبل ثور کا نام سنتے ہی آنکھوں کے سامنے تاریخ کے اوراق فلم کی طرح گھومنے لگے۔ دور گھوڑوں کی ٹاپوں کی آوازیں سنائی دینے لگیں۔ کفار مکہ کے جنگجو اور کھوجی حضور سرور کائنات (صلی اللہ علیہ وسلم) کی تلاش میں اس پہاڑ کے دامن تک پہنچ گئے۔ دشمنوں کے کھوجی نشان تلاش کرتے ہوئے ایک غار کے دہانے تک پہنچے۔ جونہی آگے بڑھنے کی کوشش کی تو ایک کافر نے اسے پکڑ کر پیچھے کھینچا اور کہا کہ کدھر جا رہے ہو؟ کھوجی نے جواب دیا میرا تجربہ کہتا ہے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اس کے اندر داخل ہوئے ہیں۔ اس کی بات سن کر سارے ہنس دیتے ہیں۔ وہ حیرت سے پیچھے دیکھتا ہے۔ تو اسے بتاتے

ہیں کہ غار کے منہ پر مکڑی کا بڑا سا جالا تنا ہوا ہے۔ ظاہر ہے جو بھی اندر جائے گا یہ جالا تو سلامت نہیں رہ سکتا۔ کھوجی نے حیران نظروں سے جالے کی طرف دیکھا' سب لوٹنے لگے' تو وہ دیر تک جالے کی طرف دیکھتا رہا۔ اس کا تجربہ کہہ رہا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اسی طرف آئے ہیں۔ آنکھیں کہہ رہی تھیں کہ جالا اتنا پرانا ہے کہ اسے توڑے بغیر اندر جانا ممکن ہی نہیں۔ میں نے اوپر غار کی طرف دیکھا مجھے یوں لگا جیسے حضور سرور کائنات بدستور غار ثور میں موجود ہیں۔ امی اور ابو دعا مانگ رہے تھے۔ میں صدیوں پیچھے لوٹ گئی تھی جب کفار مکہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ختم کرنے کا فیصلہ کیا اور خداوند کریم کے حکم سے آپ نے مکہ چھوڑ دیا کفار مکہ آپ کی تلاش میں نکلے اور آپ نے اسی غار میں حضرت ابوبکر کے ہمراہ پناہ لی تھی اور اللہ تبارک تعالیٰ نے ان کی حفاظت کے لیے غار کے منہ پر جالا تان دیا تھا۔ سبحان اللہ ایک چھوٹی سی مکڑی نے اپنے جال سے کفار مکہ کے ذہنوں میں بنی سازشوں کے جال کو گنجال کر دیا آیات ربانی ہے۔

"ہم نے اپنے رسولؐ کی مدد اس وقت بھی کی تھی' جب کافروں نے
اسے نکال دیا تھا اور اس وقت نبی دو شخصوں میں دوسرا تھا اور وہ
دونوں غار میں تھے اور اس وقت رسول نے اپنے ساتھی سے کہا کہ
حزن نہ کر۔ خدا تو ہمارے ساتھ ہے۔"

غار ثور بڑی بلندی پر ہے۔ وہاں تک پہنچنے کے لیے تقریباً دو گھنٹے صرف ہوتے ہیں۔ سعودی حکومت نے لال ربنوں والی پٹیوں سے راستہ بند کیا ہوا ہے۔ ہم نے ٹیکسی نیچے روکی اور پیدل ہی کچھ اوپر تک آئے جہاں ہم نے تبرک کے طور پر کچھ تصویریں بنائیں اور آگے چل دیئے۔ سعودی سرزمین کی شفاف سڑکوں پر گاڑی تیز رفتاری سے دوڑ رہی تھی۔ پہیوں کی تیزی کے ساتھ ساتھ میرا ذہن بھی اسی رفتار سے دوڑتا رہا۔ سامنے عرفات کے روڈ سائن بورڈ دکھائی دینے لگے۔ میری مٹھی سے وقت کی ریت سرکنے

لگے اور میں صدیوں کے سفر میں اس اجتماع کو دیکھنے لگی' جو الھم لبیک کہتا ہوا' اس شہر کو فتح کرنے کے لیے مسلسل آگے بڑھ رہا تھا۔ جہاں سے مسلمانوں کے سردار کو رات کے اندھیروں میں نکلنا پڑا تھا۔ اچانک ابو کی آواز سے میں حال میں لوٹ آئی' ابو بتا رہے تھے کہ میدان عرفات یہاں سے شروع ہوتا ہے۔ ہماری ٹیکسی اسی رفتار سے دوڑتی ہوئی عرفات کے ریت کی برف میں ڈھکے میدان کو عبور کرتی رہی۔ کہیں کہیں سایہ دار درختوں کا وجود یہ یقین دلاتا تھا کہ شاید مستقبل میں کبھی یہ علاقہ درختوں سے ڈھک سکے۔ میں اپنے تصور خیال سے اس علاقے کو ان دنوں میں دیکھنے لگی' جب لاکھوں کروڑوں حجاز کرام الھم لبیک کی آواز پر تیز جلاتی دھوپ میں چلتے ہوئے مناسک حج ادا کرنے میں مصروف ہوتے ہیں۔ یوں لگا جیسے خدا نے اپنے بندوں کی آزمائش کے لیے حج مقرر کیا' تاکہ اس کے ماننے والے آزمائش کے اس متبرک فریضے سے گزر کر نرم و گرم سہنے کی صلاحیتیں اپنے اندر بیدار کر سکیں۔ میں سوچتی ہوں اور اس وقت کو یاد کرتی ہوں جب اس علاقے میں کوئی سہولت موجود نہ تھی سر پر جلتا ہوا سورج اور پیروں کے نیچے تپتی ہوئی سرخ ریت' مگر مسلمان الھم لبیک کی آواز پر بے اختیار دوڑتے ہیں آج وقت بدل گیا ہے خانہ کعبہ میں سایہ داری اور ٹھنڈے پانی کی سہولت کے ساتھ ساتھ آرام دہ ایئر کنڈیشن ہوٹلوں کی سہولت نے حج و عمرے کو کتنا آسان بنا دیا تھا۔

عرفات کے طویل میدان سے گزرتے ہوئے ہمارے رہبر بڑی دشواری میں مبتلا تھے۔ وہ یہاں کے بارے میں بتانا چاہتے تھے مگر لفظیات کی عدم موجودگی نے فریکونسی میں مشکل پیدا کر دی تھی۔ تاہم فطری زبان یعنی اشاروں کی مدد سے وہ ہمیں مختلف مقامات کی افضیلت و تاریخ بتاتے جا رہے تھے۔ ایک روایت ہے کہ حضرت آدم کو یہیں یعنی اسی میدان میں معافی ملی تھی اور یہیں حضرت ابراہیم نے خدا کی پہچان کی تھی۔ اس لیے اس مقام کو دعا کے لیے مقام مستجاب بھی سمجھا جاتا ہے۔ ڈرائیور نے بالا آخر ایک جگہ گاڑی

روک دی۔ اور باہر نکلتے ہوئے اشارہ کیا جبل رحمت ..... معاً میرے کانوں میں آواز گونجنے لگی۔

"نہ کسی عربی کو عجمی پر فوقیت ہے اور نہ کسی عجمی کو عربی پر۔ نہ کالا گورے سے افضل ہے اور نہ گوار کالے سے۔ ہاں بزرگی اور افضیلت کا کوئی معیار ہے تو وہ تقویٰ ہے ہر مسلمان دوسرے کا بھائی ہے اور سارے مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔"

میں نے نظر دوڑائی تو جبل رحمت کے دامن میں بے شمار سمتوں، ملکوں، قوموں اور رنگ و نسل سے تعلق رکھنے والے تھے اور سب ایک ہی مقصد کے ساتھ جمع تھے۔

"میں تمہارے درمیان ایک ایسی چیز چھوڑے جاتا ہوں کہ تم کبھی گمراہ نہ ہو سکو گے۔ اگر اس پر قائم رہے اور وہ اللہ کی کتاب ہے"

میں نے سنا تھا کہ قیامت کے دن اسی میدان میں اللہ تعالیٰ انسانوں کو اکٹھا کریں گے۔ اچانک مجھے محسوس ہوا جیسے میں جبل رحمت کے دامن میں تنہا کھڑی ہوں امی اور ابو دونوں نے جبل رحمت پر چڑھنا شروع کر دیا تھا اور مجھے آوازیں دے رہے تھے۔

جبل رحمت سطح زمین سے ۳۵۰ فٹ اونچا پہاڑ ہے۔ میں جلدی سے آگے بڑھی اور بڑی بڑی چٹانوں کے درمیان بے ترتیب رستے پر چڑھنے لگی۔ پہاڑی کو نیچے سے دیکھ کر میں نے اندازہ لگایا کہ میں دس منٹ میں چوٹی پر چڑھ جاؤں گی مگر ہم جوں جوں اوپر جاتے رہے یوں لگا جیسے چوٹی اتنی ہی اونچی اب بھی باقی ہے جتنی دامن سے دکھائی دیتی تھی۔ ابھی ہم بمشکل نصف کا فاصلہ ہی طے کر پائے تھے، ابو سب سے آگے تھے پھر امی اور آخر میں، میں تھی۔ اچانک میری نظر نیچے پڑی اور میرے اندر خوف نے سر ابھارا اور

محسوس ہوا کہ میرے پیروں کے نیچے ٹھہری ہوئی بڑی سی چٹان ابھی پھسل جائے گی اور مجھے سینکڑوں فٹ نیچے لے جا کر ختم کر دے گی۔ اب میرے لیے نیچے دیکھنا عذاب بن گیا تھا۔ میں نے آیت الکرسی اور قل شریف کا ورد شروع کیا۔ مگر خوف تھا کہ اس نے مجھے چاروں طرف سے گھیر لیا تھا۔ میرے سامنے وہ بے شمار خبریں تصویریں بنانے لگیں جن میں پڑھا تھا کہ جبل رحمت سے پاؤں پھسلنے سے موت واقع ہو گئی۔ معاً میرے کانوں میں ایک آواز گونجنے لگی آخری خطبے کی ابھرتی آواز پھر آہستہ آہستہ ساری آوازیں ۔ ایک آواز میں گم ہونے لگیں زمین آسمان' ابو' امی' جبل رحمت آواز سے لرزنے لگے۔ عجیب کیفیت تھی پاؤں کی طاقت وجود کا بوجھ سہارنے سے منکر تھی اور آواز کا سحر میرے اندر روشنیاں جلانے لگا پھر میں آہستہ آہستہ اسی چٹان پر بیٹھ گئی جس نے مجھے' خوف میں مبتلا کر دیا تھا میرے سامنے واقعہ کوہ طور منور ہو گیا تھا۔ اسی اثناء میں ابو نے جو مجھ سے خاصے آگے تھے پیچھے مڑ کر دیکھا تو ایک دم واپس لوٹے شاید انہوں نے میرے چہرے پر خوف پڑھ لیا تھا۔ انہوں نے میرا ہاتھ پکڑ کر اوپر لے جانے کی کوشش' مگر انہوں نے جلد ہی اندازہ لگا لیا کہ میرا اوپر جانا ٹھیک نہ ہو گا چنانچہ انہوں نے ہاتھ پکڑا اور ہم آہستہ آہستہ نیچے آ گئے' ابو نے مجھے پانی دیا اور ہم جبل رحمت سے مسجد نمرہ کی طرف بڑھنے لگے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی جبل رحمت پر آخری خطبے کے بعد اسی مسجد میں آئے تھے اور جہاں آخری فرمان اترا تھا۔

آج ہم نے تمہارے لیے دین کو کامل کر دیا

(سورۃ المائدہ)

اس مسجد کے بارے میں روایت ہے کہ اسے حضرت ابراہیم نے قائم کیا تھا۔ شاید اسی لیے آخری خطبے کے بعد اسی مسجد میں دین کے کامل ہونے کی نوید سنائی گئی تھی۔

مسجد نمرہ کے بعد اب ہماری اگلی منزل مزدلفہ تھی۔ یہ ایک تین میل لمبا میدان

محسوس ہوا کہ میرے پیروں کے نیچے ٹھہری ہوئی بڑی سی چٹان ابھی پھسل جائے گی اور مجھے سینکڑوں فٹ نیچے لے جا کر ختم کر دے گی۔ اب میرے لیے نیچے دیکھنا عذاب بن گیا تھا۔ میں نے آیت الکرسی اور قل شریف کا ورد شروع کیا۔ مگر خوف تھا کہ اس نے مجھے چاروں طرف سے گھیر لیا تھا۔ میرے سامنے وہ بے شمار خبریں تصویریں بنانے لگیں جن میں پڑھا تھا کہ جبل رحمت سے پاؤں پھسلنے سے موت واقع ہو گئی۔ معاً میرے کانوں میں ایک آواز گونجنے لگی آخری خطبے کی ابھرتی آواز پھر آہستہ آہستہ ساری آوازیں۔ ایک آواز میں گم ہونے لگیں زمین آسمان' ابو' امی' جبل رحمت آواز سے لرزنے لگے۔ عجیب کیفیت تھی پاؤں کی طاقت وجود کا بوجھ سہارنے سے منکر تھی اور آواز کا سحر میرے اندر روشنیاں جلانے لگا پھر میں آہستہ آہستہ اسی چٹان پر بیٹھ گئی جس نے مجھے' خوف میں مبتلا کر دیا تھا میرے سامنے واقعہ کوہ طور منور ہو گیا تھا۔ اسی اثناء میں ابو نے جو مجھ سے خاصے آگے تھے پیچھے مڑ کر دیکھا تو ایک دم واپس لوٹے شاید انہوں نے میرے چہرے پر خوف پڑھ لیا تھا۔ انہوں نے میرا ہاتھ پکڑ کر اوپر لے جانے کی کوشش' مگر انہوں نے جلد ہی اندازہ لگا لیا کہ میرا اوپر جانا ٹھیک نہ ہو گا چنانچہ انہوں نے ہاتھ پکڑا اور ہم آہستہ آہستہ نیچے آ گئے' ابو نے مجھے پانی دیا اور ہم جبل رحمت سے مسجد نمرہ کی طرف بڑھنے لگے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی جبل رحمت پر آخری خطبے کے بعد اسی مسجد میں آئے تھے اور جہاں آخری فرمان اترا تھا۔

آج ہم نے تمہارے لیے دین کو کامل کر دیا

(سورۃ المائدہ)

اس مسجد کے بارے میں روایت ہے کہ اسے حضرت ابراہیم نے قائم کیا تھا۔ شاید اسی لیے آخری خطبے کے بعد اسی مسجد میں دین کے کامل ہونے کی نوید سنائی گئی تھی۔

مسجد نمرہ کے بعد اب ہماری اگلی منزل مزدلفہ تھی۔ یہ ایک تین میل لمبا میدان

ہے۔ جہاں آخری سرے پر مسجد مشعر حرام ہے۔ حجاج اکرام اس مسجد میں نماز کی ادائیگی کے بعد کچھ دیر یہاں آرام کرتے ہیں اور اس میدان سے ہی حجاج شیطان کو مارنے کے لیے کنکریاں جمع کر لیتے ہیں۔ طلوع آفتاب سے ذرا پہلے تک مذدلفہ رکنا سنت ہے۔ ہم مزدلفہ کے میدان سے ہوتے ہوئے چند ساعتوں کے لیے رکے اور بند مسجد کے دروازوں کے ساتھ کھڑے ہو کر تصاویر بنانے کے بعد جونہی آگے بڑھے' اچانک یوں محسوس ہوا' کہ دشمن کا ایک سرمست لشکر خانہ کعبہ کو ڈھانے کے لیے مکہ کی طرف بڑھ رہا ہے۔ پاسبان مکہ اس لشکر جرار کو روکنے کی صلاحیت سے محروم ہیں کہ اچانک سورج کے سامنے ننھی ننھی چڑیوں کی چادر تن جاتی ہے اور یک بیک لاکھوں کروڑوں کنکر جو یہ چھوٹے چھوٹے پرندے یعنی ابابیلیں اپنے ننھے ننھے پنجوں میں پکڑ کر لاتی تھیں۔ لشکر کفار پر برسنے لگے۔ ابراہا جو ۹ ہاتھیوں پر سوار' سرداروں کا سردار' اپنے ہاتھی محمود ۶۰ ہزار لشکریوں سمیت دیکھتے ہی دیکھتے نیست و نابود ہو گیا۔ یہ مقام جہاں ابراہا اپنے لشکر سمیت فنا ہوا تھا اب ہم اسی میدان یعنی مقام محسر سے گزر رہے تھے۔ قرانی تفاسیر میں بھی اور سیرت النبی میں بھی اس بات کا اظہار ہے کہ آپ یہاں رکے بغیر تیزی سے گزر جایا کرتے تھے۔ اس وادی کو وادی محسر کے ساتھ ساتھ وادی النار بھی کہا جاتا ہے۔ سعودی حکومت نے اس وادی کے ارد گرد تاروں کی باڑ باندھ دی ہے تاکہ کوئی رک نہ سکے۔

اب ہم اس مقام کی طرف بڑھ رہے تھے' جسے انسانی تاریخ کا عجیب و غریب واقعہ تسلیم کیا جاتا ہے۔ جب ایک باپ خدا کے احکامات کی پاسداری میں اپنے بہت پیارے بیٹے کو قربان کرنے لے جا رہے تھے۔ میں سوچتی ہوں' ایک بکرے کی قربانی دینا اتنا آسان نہیں۔ جتنا اللہ کے خلیل نے اپنے عزیز ترین بیٹے کی قربانی دینے کا فیصلہ کیا۔ یہ وہ مقام اونچا تھا جہاں رسائی کے لیے کم سے کم اس مقام کی ضرورت پڑتی ہے۔

عقل ہے محو تماشے لب بام ابھی

اسی مقام پر شیطان نے انسانی شکل میں آکر حضرت اسماعیل کو بہکانے کی کوشش کی اور تین بار اس طرح ناکام ہوا کہ یہ تین ناکامیاں اس کے لیے تاقیامت مسلمانوں کی طرف سے ایک ایسی رسم کو رواج دے گئیں جیسے ہم شیطان کو کنکریاں مارنے کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ ہماری گاڑی رکی اور رہبر نے کہا کہ آپ یہاں تصویریں بنا سکتے ہیں اس نے بتایا کہ یہ پس منظر میں نظر آنے والی آبادی منیٰ کی ہے۔ ہم تصویریں اتار رہے تھے کہ رہبر نے جمراۃ جمراۃ پکارا! تصویریں اتارنے کے بعد جب ہم گاڑی کی طرف جا رہے تھے کہ معاً مجھے خیال آیا کہ جمراۃ تو شیطان کو کہتے ہیں۔ تو جہاں ہم نے تصویریں بنائی تھیں وہ جمراۃ عقبہ تھا اور وہاں ایک ستون کے ذریعے شیطان کی رمی بھی تھی۔ اس سے تھوڑا فاصلے پر جمراۃ وسطیٰ اور آخر میں جمرۃ اولیٰ ہے۔

شیطان کو کنکریاں مارنے کے یہ تین مرحلے بڑے دلچسپ ہیں۔ پہلے یہ کھلا علاقہ تھا مگر اب اسے چھت کا سایہ نصیب ہے۔ یعنی اسے چھت ڈال کر پتھر مارنے والوں کو دھوپ سے بچنے کی سہولت مہیا کر دی گئی۔ مگر تینوں شیاطین کو کھلے آسمان کے نیچے کھڑا کیا گیا ہے اور پھر اسے بھاگنے سے روکنے کے لیے ایک دیوار کھینچ دی گئی۔ یعنی شیطان کی علامت کے طور پر ایک ستون کھڑا کیا گیا اور پھر دائرے کی شکل میں اس کے گرد دیوار کھڑی کی گئی مجھے اس خیال سے بڑی مسرت ہوئی کہ یہ دیوار اس لیے کھینچی گئی ہے کہ شیطان بھاگ نہ نکلے، مگر معاً مجھے خیال آیا کہ شیطان تو اب صدیوں سے پتھر کھاتے کھاتے عادی ہو چکا ہے اب تو شاید وہ خود بھی یہاں سے بھاگنا پسند نہ کرے۔ ہم نے تینوں جمراۃ کے قریب تصویریں بنائیں اور مسجد حنف کی طرف بڑھے، جو بند تھی، چنانچہ بند دروازوں کا دیدار کرتے ہوئے اب مکہ کی سمت واپسی کے سفر پر تھے۔ راستے میں منیٰ کے بعد مکہ کا وہ تاریخی قبرستان پڑتا ہے جس میں متعدد صحابہ کرام، تابعین، اولیاء اللہ اور بزرگان دین کی قبریں ہیں۔ یہیں ایک کونے میں حضرت خدیجہؓ اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے

اجداد کی قبریں بھی ہیں۔ پہلے کبھی اس قبرستان کو بند کر دیا تھا مگر اب زائرین کے لیے اسے کھول دیا گیا ہے۔ ہم اندر داخل ہوئے اور فاتحہ پڑھی۔ اس قبرستان جنت المعلی کے قریب ایک تاریخی مسجد سوق معلی ہے جسے عام طور پر مسجد بیعت یا مسجد حرس بھی کہا جاتا ہے۔ روایت کے مطابق یہی وہ مسجد ہے جہاں آپؐ نے جنوں سے بیعت لی تھی۔ اس وقت یہ مسجد نہ تھی بلکہ کھلا میدان تھا' اس واقعے کی یاد میں بعد ازاں مسجد تعمیر کی گئی۔

اب ہم مکہ کی سمت رواں تھے۔ مکہ سے تقریباً تین میل باہر ایک بہت اونچا پہاڑ دکھائی دیتا ہے۔ جسے جبل نور کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ جبل نور تقریباً ۲۰۰۰ فٹ بلند ہے اور اس پر وہ عظیم اور مقدس غار بنا ہوا ہے۔

جہاں انسانی تاریخ کے ایک ایسے واقعہ نے جنم لیا تھا جس نے پہلے سے موجود تمام آئینوں کو منسوخ کر کے ایک نئی حدیث زندگی کا آغاز کیا اور جس کے اندھیروں سے ایک امین اور صدیق جب باہر نکلا تو اس کی روشنیوں سے سارا عالم جگ مگا اٹھا اور شاعر بے اختیار چیخ پڑے۔

وہ نبیوں میں رحمت لقب پانے والا

ہم اس پہاڑ کے دامن میں کھڑے تھے ہماری نظروں کے فوکس میں دور بہت دور ایک غار تھا جہاں سے آج بھی روشنیاں پھوٹ رہی تھیں اور اسی روشنی کی ایک معمولی سی کرن کے لیے میں اور مجھ جیسے لاکھوں کروڑوں انسان یہاں آتے اور منور دلوں کے ساتھ لوٹتے ہیں۔ یہی وہ جگہ تھی جہاں ہادی برحق پر خدا' کائنات اور ارض و سما کے تمام سربستہ راز منکشف ہوئے۔ جبل نور کی چھوٹی سے تقریباً ۲۰' ۲۵ فٹ نیچے مکہ کی جانب اتر کر وہ مقدس غار ہے جو تاریخ میں غار حرا کے نام سے مشہور ہے۔ اس غار میں ہی حضورؐ پر وحی الٰہی نازل ہوئی۔

عمر کے ۴۱ ویں برس میں حضورؐ تنہائی پسند ہو گئے تھے۔ آپؐ کا زیادہ وقت اسی غار

میں گزرتا۔ ماہ رمضان کی ایک مقدس رات آپؐ پر خدا کا پہلا پیغام وحی کی صورت نازل ہوا۔

(پڑھیے (اے نبی) اپنے رب کے نام کے ساتھ جس نے پیدا کیا۔
جمے ہوئے خون کے ایک لوتھڑے سے انسان کی تخلیق کی۔ پڑھیے
اور آپ کا رب بڑا کریم ہے۔ جس نے قلم کے ذریعے علم سکھایا۔
انسان کو وہ علم دیا جسے وہ جانتا تک نہ تھا۔"

بہت جی چاہ رہا تھا کہ اوپر جا کر اس مبارک جگہ کا دیدار کیا جائے جہاں سے روشنی پھوٹی اور پھر اس نے پوری کائنات کو منور کر دیا مگر فاصلہ زیادہ ہونے اور شام کے بڑھتے سائے کے سبب ہمیں مجبوراً واپس لوٹنا پڑا۔ نماز مغرب کے بعد ہم واپس ہوٹل پہنچے۔ ابو نے چائے کی فرمائش کی اور بستر پر لیٹ کر ستانے لگے۔

عشاء کی نماز کے لیے نکلے تو میں نے ابو سے پوچھا کہ سنا تھا کہ حرم شریف سے ملحقہ جبل ابو قیس پر مسجد ہلال تھی دکھائی نہیں دی۔ ابو نے بتایا کہ جبل صفا کے سرے پر مسجد ابو قیس تھی جس سے آگے جبل ابو قیس کا سلسلہ تھا مگر ان پہاڑیوں کو تراش کر اب یہاں بڑی بڑی عمارتیں اور شاہی محلات کی تعمیر ہو رہی ہے۔ حرم شریف کے باب ابو قیس سے نکلتے ہی یہ پہاڑ تھا جس کے بارے میں روایت ہے کہ یہ دنیا کے قدیم ترین پہاڑوں میں سے ہے اور جب طوفان نوح نے دنیا کو تہس نہس کرنے کا فیصلہ کیا تو حجر اسود اسی پہاڑ میں امانت کے طور پر محفوظ رہا تھا۔ اسی پہاڑ پر مسجد ہلال تھی۔ جہاں ایک روایت کے مطابق حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے چاند کو دولخت کر دیا تھا۔ معجزہ شق القمر اسی واقعے سے نسبت رکھتا ہے۔ یہاں یہ بات بھی بڑی دلچسپ ہے کہ مکہ کٹورے کی طرح ایک وادی تھی جس کے چاروں طرف سر بفلک پہاڑ تھے تاہم یہی ایک جگہ ایسی تھی جہاں سے چاند دیکھا جا سکتا تھا' سو وہ بھی نہ رہی اور محلات کے شوق اور بڑی

عمارتوں کے جنون نے مقدس مقامات تک کو اپنی لپیٹ میں لے لیا ان مقامات مقدسہ میں کئی تاریخی نوعیت کی مساجد بھی تھیں۔ ابو نے ایک شخص سے جب اس بارے میں گفتگو کی تو اس نے سرکاری رویئے کی تائید کرتے ہوئے کہا کہ اب پرانی جگہوں پر نئی عمارتیں بھی تو وجود میں آنے لگی ہیں۔ اس پر ابو نے کہا کہ پرانی چیز اور مقدس چیز میں ایک فرق ہوتا ہے۔ خیر محلہ نبی ہاشم دیکھنے کی آرزو ہی رہ گئی کہ اب وہاں سربفلک عمارت تعمیر تھی۔ تاہم جائے پیدائش حضور سرور کائنات کی جگہ اب ایک لائبریری قائم ہے مگر وہ کوئی ایسی دیدنی نہیں کہ اسے حضور کے شایان شان کہا جاسکے۔ تاہم شکر ہے کہ وہ اب تک موجود ہے عشاء کی نماز اور طواف کعبہ کے بعد ہم لوٹے اور پھر دوسرے دن کا پروگرام طے کر کے رات کی آغوش میں جا سوئے۔

وقت تیزی سے سمٹ رہا تھا مکہ کی فضاؤں کا ایک ایک سانس روح کی آسودگی اور وجودگی کی توانائی کا سبب تھا۔ کبھی کبھی جی چاہتا کہ خدا ایسے وسائل دے کہ زندگی اسی نور افروز فضا میں گزر جائے۔ مگر وقت تو تیزی کے ساتھ ہمارے ان شب و روز کی طنابیں کھینچ رہا تھا جو ہمیں یہاں گزارنے تھے۔ چنانچہ فیصلہ ہوا کہ اب ہمیں مدینہ کی طرف کوچ کرنے سے قبل ان تحائف اور ضروری اشیاء کی خریداری کر لینی چاہئے تاکہ واپسی پر جلد بازی کے سبب کوئی ایسی چیز نہ رہ جائے جو ہمیں واپس جاتے ہوئے ساتھ لے جانی چاہئے۔ ہم نماز عصر کے بعد چھپڑا بازار پہنچے جو کوہ مروہ کی سمت ہے۔ سب سے پہلے ایک کمبل خریدا' سب سے پہلے اس لئے کہ آج ہی ہلکی سی بارش ہوئی تھی۔ جس نے فضا میں خنکی برپا کر دی تھی۔ پھر تسبیح اور دوسری چھوٹی چھوٹی چیزیں خریدیں جو تبرک کے طور پر اہل محلہ' احباب اور عزیزوں کو دینی تھیں۔ ہم چھوٹی چھوٹی چیزیں خریدتے ہوئے آگے بڑھ رہے تھے کہ اچانک امی کو ایک دوکان پر لٹکے ہوئے سونے کے ہار اور چوڑیوں کی کشش نے کھینچ لیا' چنانچہ ہم بھی ان کے پیچھے دوکان کے اندر داخل ہوئے اور جب

نکلے تو امی نے سونے کی دو چوڑیاں خریدی تھیں۔ اسی اثناء میں مغرب کا وقت قریب تھا۔ ہمارے پاس خاصا سامان تھا' اور یہ ساز و سامان لے کر حرم میں داخلہ ممکن نہ تھا۔ جہاں ہم کھڑے تھے اس کی دوسری طرف جہاں ہمیں جانا تھا' درمیان میں کوئی راستہ نہ تھا' کیونکہ اس سمت میں بڑے پیمانے پر تعمیر کا کام ہو رہا تھا' کئی ٹیکسی والوں سے پوچھا' مگر کوئی بھی دار لمسفلہ کے علاقے میں جانے پر آمادہ نہیں تھا' کچھ لوگوں سے پیدل چلنے کا راستہ پوچھا' تو ایک نے بتایا کہ کچھ آگے جا کر ایک راستہ مسفلہ کی جانب جاتا ہے فاصلے کی پرواہ کئے بغیر ہم چلتے رہے۔ یہاں تک کہ شام کی اذان کی آواز سنائی دینے لگی اور ساتھ ہی ہر راستے سے گزرتے واپس پھر حرم شریف کے سامنے آنکلے۔ لوگ سڑکوں سے جا چکے تھے نماز کی آواز آرہی تھی کوئی دکاندار ہمارا سامان رکھنے پر آمادہ نہیں تھا' کہ ہم نماز پڑھ سکتے۔ سخت کوفت میں مبتلا تھے۔ اسی طرح چلتے ہوئے ہم دوبارہ حرم شریف کے دروازے باب الفتح کے سامنے آنکلے۔ اسی اثناء میں ایک شخص ہمارے پاس آیا وہ ہمیں اپنے رہائش ہوٹل کے بارے میں بتانے لگا ابو نے اسے کہا کہ ہم مسفلہ کے ایک ہوٹل میں ٹھہرے ہوئے اصل مسئلہ وہاں تک پہنچنے کا ہے اس نے کہا کہ اب تو ممکن نہیں نماز کے بعد ٹیکسی مل سکے گی۔ ابو اور وہ شخص باتیں کرنے لگے اس نے بتایا کہ وہ سابق مشرقی پاکستان جواب بنگلہ دیش ہے' کے شہر باریسال کا رہنے والا ہے ابو نے اسے بتایا کہ وہ ایک باریسال گئے تھے اور وہاں ممتاز ترقی پسند لیڈر مولانا بھاشانی سے بھی ملے تھے۔ بھاشانی کا نام سن کر وہ بہت خوش ہوا اور بڑی گرم جوشی سے ابو سے ہاتھ ملایا' پھر وہ دیر تک باتیں کرتے رہے تاآنکہ نماز کا وقت ختم ہوا اور اس نے ایک ٹیکسی کا بندوبست کر دیا۔ ابو نے اس کا شکریہ ادا کیا اور ٹیکسی میں بیٹھ کر واپس آگئے تھوڑی دیر آرام کرنے کے بعد دوبارہ حرم پہنچے اور مغرب کی قضا ادا کی اور عشاء کی نماز کے بعد ہوٹل آکر صبح مدینہ منورہ جانے کی تیاری کرنے لگے۔ معاً میرے ذہن میں خیال آیا کہ حرم شریف ہماری کس سمت

ہے' کیونکہ میرے ہوش سنبھالنے سے اب تک حرم شریف مغرب کی جانب تھا اور سال میں ایک بار سورج جب عین خانہ کعبہ کے اوپر سے گزرتا ہے تو ہم اپنے مکان کی چھت پر لکڑیاں گاڑ کر خانہ کعبہ کی صحیح سمت کا تعین کرتے ہیں' لیکن مغرب تو یہاں آکر ختم ہو گیا تھا' کیونکہ جب ہم حرم شریف کے اس طرف تھے تو ہمارے سامنے مغرب کی سمت خانہ کعبہ تھا' اس وقت ہم اس کی مخالف سمت پر ہیں' اس وقت بھی ہمارا رخ خانہ کعبہ یعنی مغرب کی جانب ہیں' کہیں ایسا تو نہیں کہ چاروں سمتیں یعنی مشرق' مغرب' شمال اور جنوب اسی ایک مرکز سے پھوٹتے ہوں؟ سب سمتوں کا سرچشمہ یہی ہے مجھے ایک اطمینان سا محسوس ہوا اور دن بھر کی وہ کوفت جو راستہ تلاشنے میں ہوئی تھی یک دم غائب ہو گی اور میں آنکھیں بند کر کے آنے والے دن کی خوشیوں میں ڈوب گئی۔

دوسری صبح ابو نے ہوٹل والوں کے وسیلے سے ٹیکسی کا بندوبست کر لیا اور ظہر کی نماز کے بعد مدینہ روانگی کا فیصلہ ہوا۔ ظہر کی نماز کے بعد ہوٹل پہنچے کچھ سامان ہوٹل میں امانتاً چھوڑ دیا اور ضروری سامان ساتھ کے لے کر مدینہ کی سمت روانگی کے لئے تیار تھے۔ اسی اثناء میں ٹیکسی آگئی ڈرائیور پاکستانی تھا۔ اس نے چلتے ہی بتایا کہ وہ چند دن پہلے ہی پاکستان سے لوٹا ہے' وہ دس سال سے سعودی عرب میں رہ رہا تھا' اس نے کہا کہ وہ واپسی پر عمرہ ادا کرنا چاہتا ہے' اس لئے پہلے وہ اپنے گھر جائے گا تاکہ احرام لے لے۔ ڈرائیور نے چند ہی منٹوں میں بہت سی باتیں کر ڈالی تھیں' شاید اسے باتوں کا بہت شوق تھا اور میں سوچ رہی تھی' کہ خدا جانے ہمیں دوبارہ یہاں کی سعادت کب نصیب ہوگی' اس لئے زیادہ سے زیادہ ذکر کرنا چاہتی تھی' ڈرائیور مختلف سڑکوں سے گزر رہا تھا اور معاً میں صدیوں پیچھے گئی اور ایک ایک مکان میں جھانکنے اور اس بوڑھی کو تلاش کرنے لگی جو روزانہ آپؐ پر کوڑا پھینکتی اور جب بیمار ہوئی تو مالک دو جہاں خود اس کی بیمار پرسی کے لئے پہنچ گئے۔ میں ان گلیوں میں بے تحاشا دوڑتی ہوں جہاں کبھی آپؐ کے پیروں سے اڑنے

والی دھول لوگوں کی سانسوں کو منور کرتی رہی۔ میں دوبارہ صدیوں کا سفر کر کے واپس لوٹ آئی تھی۔ ابو مجھے آواز دے رہے تھے وہ بتا رہے تھے کہ یہ وہ مقدس جگہ ہے جہاں حضور سرور کائنات غار حرا جانے کے لئے اسی راستے سے گزرتے تھے گاڑی کھڑی ہو گئی تھی ڈرائیور سامنے والے مکان میں داخل ہوا اور چند ہی منٹوں میں ہم دوبارہ روانہ ہو چکے تھے۔ کچھ ہی دیر میں گاڑی شہر کی سڑکیں چھوڑ کر کھلی سڑکوں پر دوڑنے لگی تھی۔ ابھی ہم کچھ ہی دور پہنچے تھے کہ ڈرائیور نے ایک سفید رنگ کی خستہ حال عمارت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بتایا کہ ام المومنین حضرت سلمی رضی اللہ تعالی عنہ کا مقبرہ ہے۔ پتہ نہیں یہ کیسے بچ گیا ہے' کیونکہ موجودہ سعودی حکومت نے صحابہ اکرام اور دوسری عمائدین اسلام کی قبروں کو صفہ ہستی سے مٹانے کے لئے نہایت عجلت سے کام لیا اور اسلام کے زرین دور کی تمام قابل رشک یادگاروں کو ڈھا دیا۔ میں سوچ رہی تھی شاید اسی لئے جب برصغیر ہندوپاک بابری مسجد کی شہادت پر آج چھ دن سے دکھ اور احتجاج میں ڈوبا ہوا ہے سعودی عرب کے کسی اخبار میں معمولی سی خبر بھی شائع نہیں ہوئی تھی بہت سے ممالک نے بھارت کی مذمت کی اور کئی کر رہے تھے' مگر سعودی عمائدین خاموش تھے۔

حضرت سلمی کا مقبرہ انتہائی خستہ حال تھا' اور خود ڈرائیور حیران تھا کہ آخر یہ اب تک سعودی اقتدار کے ہاتھوں سے کیسے محفوظ ہے۔ ڈرائیور نے بتایا کہ نہ صرف ہندو پاک بلکہ عالم اسلام کے دوسری عربی ملکوں میں بھی سعودی عرب پر اسرائیل دوستی کے علاوہ سب سے بڑا اعتراض یہی ہے کہ انہوں نے اسلام کے ان اکابرین کے نشانات تک مٹا دیئے ہیں جن کے نام سے اسلام کی عظمت قائم ہوئی تھی۔

کار حضرت سلمیٰؓ کی قبر کو پیچھے چھوڑتی ہوئی اب بہت دور آگے نکل آئی تھی۔ سڑک کشادہ اور ڈبل ہونے کے ساتھ ساتھ چار رویہ تھی۔ سڑک کے دونوں طرف کانٹے دار باڑ بندھی ہوئی تھی۔ کہیں کہیں سڑک دونوں جانب پہاڑی سلسلوں میں گھر جاتی اور

کہیں میدان دور تک پھیلے ہوئے تھے میں نے ابو سے پوچھا کہ یہاں اونٹوں کی بہت سی کہانیاں مشہور ہیں مگر مجھے تو ایک بھی اونٹ دکھائی نہیں دیا ابو نے ہنستے ہوئے کہا کہ ہم جن علاقوں سے گزر رہے ہیں یہ اونٹوں کے مرکزی علاقے ہیں میرا مطلب یہ نہیں کہ اونٹ صرف یہیں ہوتے ہیں' بلکہ بتانا یہ ہے کہ یہاں اونٹوں کی حکمرانی ہے مگر جس طرح غیر ملکیوں پر خصوصی پابندیاں ہیں کہ وہ ایک خاص علاقے سے باہر نہیں آسکتے اسی طرح اونٹوں پر بھی پابندی ہے کہ جدھر سے ہم گزر رہے ہیں' وہ ادھر نہ آسکیں اور انہیں ادھر آنے سے روکنے کے لئے سڑک کی دونوں طرف کانٹے دار تار لگا دی گئی ہے۔ ابو نے بتایا کہ ان علاقوں میں اونٹ بہت زیادہ ہیں اور اکثر و بیشتر دندناتے ہوئے سڑکوں پر آجایا کرتے تھے' کیونکہ اس روڈ پر کوئی گاڑی بھی 100 میل سے کم نہیں چلتی چنانچہ وہ جب کسی کار سے ٹکراتے تو سیدھے گاڑی کی چھت پر گرتے اور پھر کوئی حادثہ معمولی نوعیت کا نہ ہوتا۔ چنانچہ حکومت نے مکہ سے مدینہ تک پونے پانچ سو کلو میٹر لمبی سڑک کے دونوں طرف کانٹے دار تار نصب کر دی ہے اب بھی کبھی کبھی کوئی شتر بے مہار تمام رکاوٹیں توڑ کر گاڑیوں سے آٹکراتا ہے تاہم اب وہ صورت حال نہیں رہی۔

ٹیکسی اب کھلے میدانوں میں دوڑ رہی تھی دور تک پھیلے بے شجر میدانوں میں کسی چھوٹی موٹی جھاڑی کے گرد اونٹوں کے جھنڈ دکھائی دیئے ڈرائیور نے بتایا کہ ایک دور تھا جب عرب کی زندگی کا تیز رفتار اور واحد ذریعہ نقل و حمل یہی اونٹ تھا۔ میلوں چل کر اپنے مالک کے لئے پانی کا بندوست کرتا مگر آج صورتحال مختلف ہے' عرب کے کھاتے پیتے لوگوں نے اب بھی اونٹ پال رکھے تھے ہیں اور اب ان کے لیے دنیا کی مہنگی ترین مرسیڈیز گاڑیاں پانی بھر کر لاتی ہیں۔ یعنی پہلے "اونٹ" بدو کی خدمت کرتا تھا۔ اور اب "بدو" نے اونٹ کی خدمت شروع کر دی۔

ابھی نصف فاصلہ طے کیا ہو گا کہ سڑک کے دونوں اطراف کالے سیاہ پہاڑوں کا سلسلہ شروع ہو گیا یوں لگتا تھا جیسے یہ سرمے کے پہاڑ جلوہ کوہ طور کا صدقہ ہیں۔ ابو بتا

رہے تھے کہ آج کل تو یہاں کا موسم بہت اچھا ہے اگر کبھی گرمیوں میں ادھر آنے کا اتفاق ہو تو یقین نہیں آتا کہ یہاں انسان زندہ کیسے رہا ہے' کیونکہ صدیوں سے تپتا ہوا سورج اور زیر زمین تیل کے ذخیروں کے سبب آتش فشاں زمین پر نمو کیسے رہی ہوگی۔ ابو دس سال قبل اپنے دوستوں کے ساتھ آئے تھے تو بتاتے ہیں کہ مدینہ سے نکل کر ابھی وہ بدر سے چند میل دور تھے کہ ان کی گاڑی کا ایئر کنڈیشنر خراب ہو گیا۔ وہیں قریب سے انہوں نے ایک بالٹی پانی لیا اور اپنی قمیض بھگو کر کھڑکی کے سامنے رکھتے تو قمیض منٹوں میں سوکھ جاتی۔

میں سوچنے لگی جب مدینہ کی وادی سے نکل کر حضور سرور کائنات بدر کے مقام تک پہنچے' جنگ لڑنا تو الگ خود وہاں تک بے سرو سامانی کی حالت میں پہنچنا' کیا خود ایک معجزے سے کم تھا۔ میں سوچتی اور ان مسلمانوں کے جذبے کو قابل رشک سمجھتی رہی جنہوں نے اسلام کی سربلندی کے لئے ناممکنات کو ممکنات میں بدل دیا۔

گاڑی اب تیزی سے مدینہ کی حدود میں داخل ہو رہی تھی مدینہ میں داخل ہونے سے قبل ایک پولیس پوسٹ سے گزرنا پڑتا تھا' ڈرائیور بتا رہا تھا کہ وہ باقاعدہ ٹیکسی نہیں رکھتا اس لئے اگر آپ سے پوچھے تو بتا دینا کہ آپ میرے مہمان ہیں۔ اس نے ہمارے نام یاد کر لئے۔ ڈرائیور بتانے لگا کہ یہ لوگ بہت تنگ کرتے ہیں۔ شرطے لکیر کے فقیر ہیں ایک بار کوئی فیصلہ کر لیں تو پھر کوئی ان سے یہ فیصلہ تبدیل نہیں کرا سکتا۔ اسی اثناء میں گاڑی چیک پوسٹ پر رک گئی۔ ایک شرطہ ابو کے پاس آیا اس نے نام پوچھا اور کاغذات دیکھے بغیر ہمیں جانے کا اشارہ کر دیا۔ ڈرائیور حیران نظروں سے ابو کو دیکھتے ہوئے بتانے لگا کہ آج تک ایسا نہیں ہوا کہ یہاں کاغذات کی مکمل پڑتال کے بغیر جانے کی اجازت دے دی گئی ہو' پتہ نہیں آج اس نے کاغذات کا پوچھا تک نہیں' ابو نے کہا ممکن ہے کہ خواتین کی وجہ سے ایسا کیا ہو۔ وہ کہنے لگا کہ جس گاڑی میں خواتین ہوں انہیں زیادہ

پریشان کرتے ہیں۔ میں نے ابو سے پوچھا کہ مدینہ کتنی دور ہے' کیونکہ سورج ڈوب رہا تھا' معاً مجھے خیال گزرا کہ اب سورج کون سی سمت ڈوب رہا تھا' میں مسکرا دی اب خانہ کعبہ ہمارے مشرق میں تھا' اب تلک ہمارا ماویٰ و مرجع مغرب تھا اور اب اچانک وہ مشرق کی طرف چلا گیا تھا۔ میں مشرق و مغرب کی اُدھیڑبن میں تھی کہ ڈرائیور نے بتایا کہ ہم مدینہ شہر میں داخل ہو رہے ہیں اور عظمت کے وہ مینار جو چودہ سو سالوں سے دنیا میں روشنی اور نور کی علامت ہیں سامنے آچکے ہیں۔ ہماری نظریں بے اختیار اس سمت اٹھ گئیں اور درود و سلام کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ امی کی آنکھوں میں آنسو تھے غالباً فرط جذبات اور احساس خوشی سے آنکھوں سے جھلک گئے تھے کار کی اب وہ رفتار نہیں رہی تھی ابو نے ڈرائیور سے کہا کہ ہمیں کسی ایسے ہوٹل میں لے چلیں' جو روضہ مبارک کے قریب تر ہو شام کی نماز ہو چکی تھی اور لوگ آہستہ آہستہ واپس لوٹ رہے تھے گاڑی بالآخر ایک جگہ رک گئی اور ڈرائیور ہمارا سامان اٹھا کر ایک ہوٹل میں لایا' مگر ہوٹل میں ایک عجیب وحشت محسوس ہوئی' چنانچہ ابو ہمیں وہیں چھوڑ کر باہر گئے اور تھوڑی ہی دیر میں لوٹے اور کہا کہ ایک بہتر ہوٹل کم کرائے پر مل گیا چنانچہ ہم زیارت رسولؐ سے صرف دو منٹ کے فاصلے پر دارالروحہ میں منتقل ہو گئے کمرہ کشادہ اور کچن سے ملحقہ تھا۔ چنانچہ امی نے چائے بنائی ابھی ہم چائے پی کر فارغ ہوئے تھے کہ عشاءَ کی اذان ہونے لگی اور ہمیں حضور کی قدم بوسی کی دعوت مل رہی تھی جلدی سے وضو کیا اور ہوٹل سے نکل کر پہلی بار پورے سکون یقین اور عالم سرشاری میں اس مقدس سرزمین پر خود کو محسوس کیا جہاں کے ذرے ذرے میں آپؐ کے قدموں کے نشان ثبت تھے۔ ہم ایک بازار سے گزر کر دیار حبیب کے سامنے تھے۔ خوشی اور بے ساختہ پن کے سبب آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے کبھی یہ تصور کرتے کہ ہم ایک دن حضورؐ کے حضور پیش پیش ہوں گے تو خواب لگتا تھا' مگر اب یہ خواب حقیقت میں بدل چکا تھا۔ سامنے چھ بڑے بڑے محرابی

دروازے تھے ابو نے بتایا کہ دائیں طرف والے تین دروازے خواتین کے لئے ہیں جب آپ نماز ادا کر چکیں تو واپس اسی دروازے کے پاس کھڑے رہنا اگر ادھر ادھر ہوئیں تو مسئلہ پیدا ہو سکتا ہے۔ ہم آگے بڑھے دروازے پر برقعہ پوش خواتین اندر داخل ہونے والی عورتوں کی تلاش لے رہی تھیں ہم نے تلاشی دے کر اپنے چپل اتارے اور شاپنگ بیگ میں ڈال کر اندر داخل ہو گئیں ہمارے لبوں پر درود و سلام کی بارش ہو رہی تھی یوں لگتا تھا جیسے سلام و درود کی سعادت بھی خدا جسے چاہئے دے۔

اب ہمارے پیروں کے نیچے ماربل کا نرم و گداز فرش تھا ماربل کی چمک سے ٹکرا کر چھت پر لگی روشنیوں کی لہریں لوٹتیں تو بارش انوار کا سا سماں بندھ جاتا ہم آگے بڑھیں اور ان خواتین کے درمیان جگہ پا کر بیٹھ گئیں جو ورد رسول میں مگن تھیں۔

ہمارے چاروں طرف تاحد نظر خوبصورت اور سنگ مرمر کے ستونوں کا ایک طویل سلسلہ دکھائی دے رہا تھا یوں لگتا تھا کہ ستونوں کے درمیان سے گزرنے والا ہر راستہ اس شخصیت کے قدموں پر ختم ہوتا ہے جس کی خاک پا کے صدقے ہم دور دراز رہنے والے آج یہاں جمع تھے۔ اسی اثناء میں تکبیر سنائی دی اور نماز کے لئے ہم کھڑے ہو گئے یوں لگ رہا تھا جیسے ہماری یہ نماز ان فرشتوں کی نماز سے صدیوں طویل ہے جن کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ صرف ذکر وبیان کے لئے .پیدا کئے گئے ہیں۔ نماز تھی کہ ایک سرشاری تھی امام کا ایک ایک لفظ روح میں اتر رہا تھا جانے کب امام نے سلام پھیرا تو میں اس کیفیت سے باہر آئی جہاں آج سے پہلے میں نے خود کو کبھی نہ دیکھا تھا۔ میری عمر کے ان 24،25 سالوں کی شاید یہ پہلی نماز تھی جس کا آغاز سرمستی تھی اور جس کا انجام سرشاری۔ میں پسینے سے شرابور تھی کہ تمام عالم کی رحمتیں، رحمت العالمین کے گھر سے مل رہی تھی۔ امی وتر اور نوافل ادا کر رہی تھیں میں بھی ان کے ساتھ شامل ہوئی، مگر حیرت تھی کہ مکہ معظمہ کی طرح یہاں بھی زیادہ تر خواتین صرف فرض اور وتر ادا کر

رہی تھیں صرف چند خواتین ایسی تھیں جو ہماری طرح اپنی جبیں فرش مصلیٰ سے اٹھانا نہ چاہتی تھیں۔

ہم نے نماز ختم کی مسجد میں پڑے ہوئے ڈرم سے پانی کی بوتل بھری اور اس کے ساتھ باہر آئی معلوم ہوا کہ خواتین کے لئے روضہ کی زیارت کے اوقات مقرر ہیں یعنی صبح 7.00 سے لے کر 11.00 بجے اور بعد از دوپہر ایک بجے سے ساڑھے چار بجے تک خواتین روضہ حضور تک حاضری دے سکتی تھیں۔ ہم باہر نکلے چپل پہن کر باہر نظر دوڑائی تو عجیب بے چینی اور اضطراب زن و مرد کے چہرے پر کھا دکھائی دیا گویا قیامت کا منظر ہے اور ہر کوئی کسی اپنے کی تلاش میں ہو اور جلد ہی ہم بھی اسی بے چینی اور اضطراب کا حصہ بن گئے۔ جب ہمیں مردوں کی بھیڑ میں دور تک اور دیر تک ابو نظر نہیں آئے۔ امی کے لبوں پر دعاؤں کا ورد تیز اور آنکھوں میں خوف نمایاں ہو گیا تھا میں بھی خوفزدہ سی تھی۔ خاصی دیر تک یہی کیفیت رہی کہ معاً ساتھ والے دروازے سے ابو نکلتے ہوئے دکھائی دیئے ہم دونوں کے چہرے پر اطمینان دوڑ گیا ابو نے بتایا کہ روضہ پر حاضری دینے کے سبب دیر سے پہنچے ہیں۔ ابو نے واپس ہوتے ہوئے بتایا کہ روضہ کی جالیوں کو اب ہاتھ لگانے کی اجازت بھی نہیں مگر میں بھی جبراً روضے کی جالیوں کو چوم کر آیا ہوں۔ شرطے لوگوں کو منع کر رہے تھے ایک نے ابو سے کہا کہ یہ بندہ بشر ہے اس سے کیا مانگتے ہو تو ابو نے جواب دیا کہ یہ بندہ بشر تو ہے مگر افضل ترین "تم بے قدرے اس کی فضیلت کو کیا جانو" اس کے طفیل تو تمہارے تیل کے چشمے سونا اگل رہے ہیں۔

باتیں کرتے ہوئے ہم مدینہ کے بازار میں پہنچے ابو نے کچھ کھجوریں خریدیں اور پھر ایک ہوٹل میں جو سندھ کے ایک پاکستانی کا تھا بیٹھ کر کھانا کھایا اور واپس ہوٹل آ کر کچھ دیر باتیں کرتے رہے اور پھر نیند کی آغوش میں جا سوئے۔

دوسری صبح اذان فجر سے قبل ابو جاگ گئے تھے جب میں جاگی تو امی چائے بنا کر لے آئی تھیں رات ابو نے ہوٹل والوں سے کہا تھا کہ ہمیں اذان سے قبل جگا دیں کیونکہ ہم رات بہت تھک گئے تھے اور خیال تھا کہ شاید جلدی آنکھ نہ کھل سکے۔ مگر ابو حسب معمول جاگ گئے تھے ہم نے چائے پی ضروریات سے فارغ ہو کر اذان فجر سے قبل ہی وضو کر کے مسجد نبوی کی جانب چل پڑے راستے میں فجر کی پہلی اذان ہمارے کانوں کے پردوں سے ٹکرائی تو صدیوں پہلے مدینہ کے نخلستان سے ابھرنے والی وہ پہلی آوازیں یاد کے پردوں پر رس گھولنے لگیں جس کو سن کر مسلمان تو کیا غیر مسلم بھی مسجد کی طرف چل دیتے تھے۔ "نماز نیند سے اچھی ہے" یہ جملہ وقت کے صدیوں کے سفر میں بھی بامعنی تھا اور میں سوچ رہی تھی کہ آج کی اس مبارک ساعت میں جب کہ ہمارے احترام کا منبع و

ماوئی ہماری نظروں کے سامنے تھا تو واقعی یوں لگا کہ نماز ہزاروں نیندوں پر بھاری ہے۔

وقت تیزی سے گزر رہا تھا آج ہمیں روضہ رسول پر حاضری دینی تھی آج ہمارے دلوں میں روضہ رسول دیکھنے کی تڑپ جوش مار رہی تھی اور خوشی ہمارے چہروں سے عویدہ تھی۔ محمد مصطفیٰ کی محبت ہمارے رگوں میں سرایت کر رہی تھی اور میرے خیال میں کون بدنصیب ہوگا جو روضہ رسول کی زیارت نصیب ہونے کے بعد خوش نہ ہوگا' لیکن ابھی ہمارے اور روضہ رسول کے دیدار میں سعودی حکومت کے مقرر کردہ اوقات کی دیوار حائل تھی۔ لہٰذا تھوڑا ضبط کرتے ہوئے ہم نے نماز فجر ادا کی۔ اس کے بعد واپس ہوٹل آنے کو دل نہیں چا رہا تھا لیکن ابھی چند گھنٹوں کی سزا باقی تھی' لہٰذا ہم واپس ہوٹل آئے ناشتہ کیا پھر 9.00 بجے ہم اپنے حبیب کے دربار میں' اللہ کے پیارے کے دربار میں رحمت العالمین کے دربار میں' دو جہانوں کے پیارے کے دربار میں حاضری دینے پہنچ گئے شاید ہماری قسمت میں یہی وقت اور دن لکھا گیا تھا۔ جونہی میری نظریں روضہ اقدس پر رکیں صدیوں پرانے خواب ہرے ہوگئے تھے میں سوچنے لگی کہ اس منزل تک پہنچنے کے لئے مسلمان سال ہا سال صرف کر دیتے ہیں لیکن مجھ پر اس عمر میں ہی اس کا کرم ہو گیا تھا۔ ابو مردانہ سمت جانے لگے تو انہوں نے ہمیں بتایا کہ کس جگہ کھڑے ہو کر نماز کی فضیلت بڑھ جاتی ہے اور کسی جگہ نوافل ادا کرنے سے بخشش کے دروازے وا ہو جاتے ہیں۔

ریاض الجنتہ کے بارے میں بتایا ۔ اسے مسجد نبوی میں خاص اہمیت حاصل ہے اس بارے میں حدیث مبارک بھی ہے۔

"جو جگہ میرے گھر اور منبر کے درمیان ہے وہ
جنت کے باغوں میں سے ایک ہے۔"

ابو نے خاص طور پر یہاں دو نوافل ضرور ادا کرنے کی تاکید کی تھی کہ یہاں سرور کائنات

کی پیشانی نے زمین کو بوسہ دیا تھا۔

جب ہم اندر پہنچے تو اک عجب منظر تھا ہمارے سامنے حضور کا روضہ تھا اور ہم تشنہ گام۔ یقین نہ آتا کہ ہم اس جگہ کھڑے ہیں جہاں کی خواہش ہر مرد و زن کی روح میں دوڑتی ہے۔ بے اختیار درود و سلام لبوں کے حصار توڑ کر مسجد نبوی میں پھیلی دوسری آوازں میں ضم ہونے لگے۔

اسلام علیک یا رسول اللہ و سلام علینا یا حبیب اللہ

ہر لب پر یہ آواز تھی آنکھوں میں آنسو

سینکڑوں عورتیں لکڑی کی خوبصورت جالیوں کو تھامے رو رہی تھیں۔ شاید برسوں بعد اپنے ہمدرد کو سامنے دیکھ کر آنکھوں سے آنسو نکل گئے تھے۔ میں سلام پڑھتی ہوئی تیزی سے امی سے آگے نکل گئی اور پھر اسی مقام کے پاس پہنچ گئی جس کے بارے میں مشہور ہے کہ اسے جنت سے زمین پر اتارا گیا اور قیامت کے دن واپس جنت منتقل کر دیا جائے گا مجھے اچانک محسوس ہوا کہ جیسے جہاں میں کھڑی ہوں انوار کی بارش ہو رہی ہے میں ایک گھبرا سی گئی اور بے اختیار امی کو پکارا جو میرے قریب کھڑی تھیں مگر مجھے ان کی آواز میلوں دور سے سنائی دے رہی تھی امی نے مجھے اشارے سے کہا کہ نفل ادا کرو کیوں کہ یہ وہ مقام تھا جہاں نفل ادا کرنا رحمتوں کو حاصل کرنے کے برابر تھا۔ ہم نے نفل ادا کئے اور وہ دعائیں مانگنے لگے جسے ہم نے کئی دن سے اپنے اندر بسا رکھا تھا امی مسلسل نوافل ادا کر رہی تھیں کچھ دیر نوافل اور دعاؤں کے بعد اندر ایک سکون سا ابھرنے لگا ہماری نظروں کے سامنے لکڑی کی خوبصورت جالیوں کے دوسری طرف مصلیٰ رسول تھا جہاں حضور سرور کائنات ؐ سجدہ فرمایا کرتے تھے آپ ؐ جہاں کھڑے ہو کر امامت فرمایا کرتے تھے وہاں ایک خوبصورت محراب بنی ہوئی تھی جس پر سورۃ احزاب کی یہ آیت درج تھی۔

"اللہ تعالیٰ اور فرشتے نبی ؐ پر درود و سلام بھیجتے ہیں اس لئے اے

ایمان والو تم بھی آپؐ پر درود و سلام بھیجو"

درود تو ہم پہلے ہی پڑھ رہے تھے اس کو پڑھنے کے بعد اس میں اور بھی تیزی آگئی۔

اتنے میں ایک خاتون جو پاکستانی تھی اس نے میرے کندھے پر ہاتھ رکھا اور کہا میں نے بھی نفل ادا کرنے ہیں۔ اگرچہ میرا دل تو وہ جگہ چھوڑنے کو نہیں چاہ رہا تھا مگر اس وجہ سے ہٹ گئی کیونکہ یہاں آنے والا ہر کوئی اس مبارک جگہ نفل ادا کرنے کی خواہش رکھتا ہے۔ اس خاتون نے جو زبان کے حوالے سے کراچی کی معلوم دیتی تھی، نفل ادا کے بعد پوچھا کہ کیا آپ لوگوں نے روضے کا دیدار کر لیا ہے امی نے جواب دیا کہ نفل کے بعد ہم روضے پر حاضری دیں گے۔

روضہ اقدس کو پیتل کی خوبصورت جالیوں اور داخلے کے راستے کو لوہے کے دروازوں سے بند کیا گیا ہے۔ حضور کے روضہ کے قریب ان کے رفقاء اور صاحب زادی کی قبریں بھی ہیں۔ خواتین کو روضہ مبارک سے دور رکھنے کے لئے اب لکڑی کی جافری تان کر بھی راستہ بند کیا گیا ہے۔ روضے کی جالیوں اور لکڑی کی جافری کے درمیان انتظامیہ کی سیاہ پوش خواتین کھڑی تھیں۔ جو جالیوں کو ہاتھ لگانے سے روکتی تھیں اگر کوئی ہاتھ لگانے کی کوشش کرتا تو دوڑتی ہوئی آتیں اور "شرک شرک" کہنا شروع کر دیتیں۔

صبح کی نماز کے وقت ابو اور مسجد کے کسی پڑھے لکھے نائب

امام کے درمیان بحث ہو گئی ابو نے جالی کو ہاتھ لگایا تو وہ الحدید الحدید یعنی (یہ تو محض لوہا ہے) کہتا ہوا آیا اور ابو کا ہاتھ پرے کرنے لگا وہ نائب امیر انگریزی جانتا تھا۔ ابو نے اس سے کہا کہ کیا تم ان لاکھوں انسانوں کو بے وقوف سمجھتے ہو جو لاکھوں روپے خرچ کر کے آتے ہیں اور کفر خریدتے ہیں میں پڑھا لکھا آدمی ہوں اتنا پیسہ خرچ کر کے آیا ہوں کیا مجھے معلوم نہیں کہ کفر کیا ہے اور حق کیا ہے؟ ابو نے چند ہی منٹوں میں جب اسے لاجواب کر دیا تو وہ دوسری طرف چلا گیا اور اس نے ایک شرطے کو بھجوا دیا جو سوائے ڈنڈے کی زبان کے دوسری کوئی زبان نہ جانتا تھا۔ چنانچہ ابو مجبوراً پیچھے ہٹ گئے اور روضے پر کھڑے ہو کر دعا مانگی جو سعودیوں کے لئے سب سے تکلیف دہ چیز ہے اور پھر نائب امام کے پاس جا کر کہا کہ مسلمان حکمرانوں کی سب سے بڑی خرابی یہ ہے کہ وہ اپنی کم علمی کی وجہ سے ڈائیلاگ میں جب شکست کھا جاتے ہیں تو طاقت استعمال کرتے ہیں تم نے بھی یہی کیا ہے۔ تو وہ ہنس کر کہنے لگا کہ جاہل مسلمانوں کو ہینڈل کرنے کا طریقہ بھی صرف طاقت ہے ابو نے اسے خواب سنائیں مگر اس نے ایک ہی بات پر زور دیا کہ قبریں آپ کو کچھ نہیں دے سکتیں۔

یہی مرحلہ اب ہمیں پیش تھا۔ نوافل ادا کر کے جب ہم دعا مانگنے لگے تو ایک سیاہ پوش خاتون جس کا پورا جسم ڈھکا ہوا تھا آئی اور ہمیں اشارے سے رخ بدلنے کے لئے کہا مگر ہم نے اس کے اشاروں کی پرواہ کئے بغیر دعا مانگی۔ اسی اثناء میں کراچی سے آئی

ہوئی چند خواتین نے نعتیں پڑھنا شروع کر دیں پتہ نہیں کیوں یہ
مجھے اچھا نہیں لگا' میرا خیال تھا کہ یہ تو وہ مقام ہے جہاں خوب
دعائیں مانگنی چاہیں اور اپنی آواز نیچی رکھنی چاہئے مبادہ وہ حضور
سرور کائنات کی آواز سے اونچی نہ ہو جائے۔ قرآن پاک میں ارشاد
خداوندی ہے۔

"اے لوگوں جو ایمان لاتے ہو اپنی آواز
نبیؐ کی آواز سے بلند نہ کرو اور نہ نبیؐ کے
ساتھ اونچی آواز سے بات کرو جس طرح تم آپس میں
ایک دوسرے کے ساتھ کرتے ہو"۔

میں اپنے لبوں سے نکلنے والے دعا کے لفظوں کے عقیدت اور جذبات سے بھرے لفظوں کو، شعوری طور پر نہیں دبا رہی تھی' بلکہ ہر لفظ از خود حد ادب میں اتنا نیچا تھا کہ وہ آیات ربانی کی اقتداء میں اس قدر نیچا تھا کہ دل کی دھڑکن آواز کے ساتھ مل کر سانسوں کی آواز بن گئی تھی۔ ہم دونوں ماں بیٹی روضے کے قریب اس زنجیر کے پاس کھڑے تھے جو روضے اور ہمارے درمیان حائل تھی۔ معاً نعتیں پڑھنے والی خواتین نے زنجیر کی ہک کو ہٹایا اور اندر داخل ہو کر روضے کی جالی تک پہنچیں اور اسے والہانہ چومنے لگیں۔ انتظامیہ کی خاتون دوسری طرف تھی اتنی دیر میں کہ وہ واپس آتی یہ خواتین واپس لوٹ آئیں' ان میں سے ایک خاتون جو پہلے ہمارے ساتھ کھڑی تھی والہانہ انداز میں کہنے لگی۔

ہائے ہمارے حجور نے بلایا اور کہا کہ ہمارے
سینے پر چمٹ جاؤ۔

پتہ نہیں کیوں اس خاتون کے والہانہ انداز کے باوجود یہ عورت مجھے ڈراما لگی۔ امی

کہنے لگیں کاش ہم بھی وہاں تک جا سکتے، میں نے امی سے کہا کہ ہم اتنے قریب ہیں کہ پتہ نہیں زندگی میں دوبارہ اتنی قربت بھی نصیب ہو گی یا نہیں خدا کا یہی کرم ہے کہ ہمیں اتنی سعادت نصیب کی، چنانچہ ہم نے زبردستی اس طرف جانے کی بجائے نوافل ادا کئے اور دل میں سوچا کہ اگر قدرت نے موقع نصیب کیا تو یقیناً ہم دوبارہ بھی یہ مقام اولیٰ پائیں گے۔ یقیناً زیارت روضہ رسول اتنا بڑا مقام ہے جس سے عربوں انسان محروم رہتے ہیں۔ ہم تو ان ہزاروں خوش نصیبوں میں سے تھے جو اس وقت حضور کے روبرو تھے۔ نوافل ادا کرنے کے بعد ہم اصحاب صفہ کے چبوترے کی طرف آئے روایت کے مطابق یہ وہ مقام تھا جہاں وہ اصحاب رسول رہا کرتے تھے جن کا اپنا کوئی گھر نہیں ہوتا یہ لوگ اہل صفہ کہلاتے تھے۔

اسی نسبت سے اس مقام کو جو چبوترے کی صورت میں اب تک قائم ہے حجرہ اصحاب صفہ کہا جاتا ہے۔ دو خواتین ہمارے ساتھ ساتھ چل رہی تھیں انہوں نے اچانک پہرے دار خواتین کو بے خبر پایا تو دوڑ کر چبوترے پر چڑھ گئیں اور فوراً نیت باندھ کر نفل ادا کرنے لگیں یہاں دلچسپ پہلو یہ ہے کہ بعض جگہوں پر عورتوں کو نماز نہیں پڑھنے دیا جاتا، لیکن کوئی عورت وہاں نیت باندھ کر کھڑی ہو گئی ہو تو پھر اسے نماز کے دوران کچھ نہیں کہا جاتا بلکہ نماز ادا کرنے دی جاتی ہے یہی ان خواتین کے ساتھ ہوا وہ جلدی سے نیت باندھ کر کھڑی ہو گئیں اور جب روکنے والی سیاہ پوش خواتین ان تک پہنچیں تو وہ نماز ادا کرنے لگی تھیں۔ جب وہ نماز پڑھ کر لوٹیں تو امی سے کہنے لگیں زندگی میں معلوم نہیں یہ موقع دوبارہ ملتا ہے یا نہیں اس لئے آپ بھی جلدی سے چبوترے پر چڑھیں اور نیت باندھ کر نماز ادا کرنے لگیں امی نے بھی جلدی سے چبوترے پر پہنچ کر نیت باندھی اور پھر سکون سے نفل ادا کئے امی نے نماز ختم کی اور پھر ہم دعا مانگ کر باہر آ گئے۔ ابو باہر کھڑے تھے کہنے لگے تین گھنٹے سے کھڑا ہوں وقت بھی ختم ہونے والا ہے امی نے کہا کہ

میرا جی تو اب بھی باہر آنے کو نہ چارہ رہا تھا۔ مجھے حیرت ہوئی کہ تین گھنٹے گزر گئے اور ہمیں وقت کے گزرنے کا احساس تک نہ ہوا۔ ابو نے بتایا کہ اب ہم زیارتوں کے لئے جائیں گے۔

ہم مسجد سے باہر نکلے تو ہلکی ہلکی پھوار پڑ رہی تھی جس کے سبب موسم میں ہلکی سی خنکی چھا گئی تھی۔ ہم اس دروازے سے نکلے جو جنت البقیع کی طرف کھلتا ہے۔ یہاں بڑی تیزی سے توسیع کا کام ہوتا نظر آیا۔ ہم ذرا آگے بڑھے تو سامنے جنت البقیع کا بورڈ نظر آیا جس پر تیر کا نشان تھا یعنی وہ جنت البقیع کی طرف اشارہ تھا ہم تیر کے نشان پر پہنچے تو ایک اونچی دیوار نظر آئی جس کے کچھ حصے پر لوہے کی گرل دکھائی دی یہ دنیا کا عظیم ترین قبرستان ہے جہاں صحابہ کرام' امہات المومنین' اکابرین اسلام' حضور سرور کائنات کے صاحب زادہ' صاحب زادیاں اور اولین اسلامی دور کے بڑے بڑے صاحب مقام لوگ دفن تھے' مگر اب محض ایک ہموار میدان تھا جس میں جگہ جگہ پتھروں کے نشان تھے کوئی قبر دکھائی نہ دی۔ وہاں موجود ایک بزرگ خاتون نے بتایا کہ اس قبرستان کو جو ابتدائے اسلام کی یادگار کے طور پر ایک عظیم مقام ہے سعودی حکومت نے ساری قبروں پر بلڈوزر پھروا دیا تھا جس سے قبروں کو شہید کر دیا گیا۔ مجھے پتہ نہیں کیوں شدید دکھ ہوا اور سوچنے لگی کہ پتہ نہیں قدرت نے ان مقدس مقامات کی حفاظت کے لئے اس قوم کو کیوں مقرر کیا ہے۔ جو ان لوگوں کی عظمت اور عزت سے بھی واقف نہیں۔ ہم جو ہزاروں میل دور سے آتے ہیں۔ انہیں اپنے حبیب کے روضے کو ہاتھ سے چھونے تک کی اجازت نہیں۔ کتنے دکھ کی بات ہے کہ یہ لوگ اسے کفر قرار دیتے ہیں کیا ان کا یہ مطلب ہے کہ ہم رسول کو خدا کا ہم پلہ سمجھتے ہیں؟ نعوذ باللہ کوئی مسلمان اس کا تصور بھی نہیں کر سکتا ہم خدا اور رسول خدا کے مقام و مرتبے سے واقف ہیں۔ خدا خالق ہے اور رسول مقبول ہم سمیت مخلوق۔ دونوں کا مقابلہ ہو ہی نہیں سکتا۔ ہاں ہم اس میں فخر محسوس کرتے ہیں کہ

ہمارا نبی وہ ہے جس کے اس مقام پر کوئی تنازعہ نہیں کہ

بعد از خدا بزرگ توہی قصہ مختصر

مگر یہ بدقسمت قوم اس بات کو کیا سمجھے کہ جو شخصیت ان کی سرزمین کو عظمت اور عزت کا گہوارہ عطا کرتی ہے اگر یہ یہاں نہ ہوتی تو یہاں محض ریت اڑ رہی ہوتی اس قوم کی ترقی، دولت، عزت صرف ان ہی کے صدقے اور طفیل ہے۔

ہم نے دکھی دل کے ساتھ فاتحہ پڑھی اور ایک اداسی کے عالم میں باہر نکلے۔ باہر ایک ٹیکسی والا زیارتوں کے لئے کہہ رہا تھا ایک ٹیکسی والے نے 100 ریال مانگے، دوسرا بڑی ٹیکسی والا آیا تو اس نے 10 ریال فی کس کی پیش کش کی، چنانچہ ہم تینوں پیچھے براجمان ہوئے اور دو سواریاں اگلی سیٹ پر بیٹھ گئیں اور ٹیکسی روانہ ہو گی۔

آبادی میں ٹیکسی کی رفتار کم تھی ہمیں یہ سارا علاقہ جانا پہچانا سا لگا اس میں کوئی اجنبیت نہیں تھی سڑکیں، گلیاں اور گلیوں میں داخل ہونے والے اور باہر آنے والے لوگ اجنبی نہ لگ رہے تھے۔ شاید اس کا سبب یہ ہو سکتا ہے کہ ہم صدیوں سے اس خطے کو اپنے اندر بسائے بیٹھے ہیں اور ہمارے آباؤ اجداد اپنے جذبے اور خواہش نسل در نسل منتقل کرتے رہے ہیں۔ جب ہم اپنے لاشعور میں اپنے آباؤ اجداد کی خواہشوں اور جذبوں کے ساتھ پہنچتے ہیں تو وہ جگہ ہمیں نئی نہیں لگتی۔ مجھے اسی لئے یہ جگہ نئی یا اوپری نہیں لگ رہی تھی، بلکہ وہ سب کچھ جو کچھ ہم نے اپنے ذہن میں آباد کر رکھا تھا اس دنیا سے ملتا جلتا تھا۔ تاہم ایک بات جو ان دو دنوں میں ہم نے دیکھی وہ یہ تھی کہ مکہ کے لوگ اکھڑ مزاج، کھردرے اور بیزار نظر آتے ہیں، جبکہ مدنی خوش طبع، حلیم مزاج اور پر سکون ہیں۔

ہماری ٹیکسی ایک جگہ رک جاتی ہے ڈرائیور نے بتاتا ہے کہ یہ مسجد قبا ہے۔ اسلام کی پہلی مسجد۔ حضور سرور کائنات جب مکہ سے ہجرت فرما کر مدینہ پہنچے تو آپؐ نے مدینہ سے تین میل کے فاصلے پر قبا نامی بستی میں تین دن قیام فرمایا تھا اور اس قیام کے

دوران آپؐ نے اسلام کی پہلی مسجد کی بنیاد رکھی۔ اسی بستی کی نسبت سے مسجد قبا کا نام دیا۔

یہاں ایک اور دلچسپ بات یہ تھی، کہ آپ کے مدینہ کے قیام کے دوران کچھ لوگوں نے ایک اور مسجد تعمیر کی، جس کا نام مسجد ضرار رکھا۔ اور آپؐ سے لوگوں نے درخواست کی کہ آپؐ وہاں تشریف لے جا کر اس کا افتتاح کریں۔ حضورؐ اس زمانے میں تبوک کی مہم میں مصروف تھے آپؐ نے فرمایا کہ اس سے فارغ ہو کر آؤں گا، لیکن جب آپ تبوک کی مہم سے لوٹے تو آپؐ پر سورۃ النور کی آیات 107اور 108 نازل ہوئیں جس میں خداوند کریم نے ارشاد فرمایا

"کچھ لوگ ہیں جنہوں نے ایک مسجد بنائی اس
غرض کے لئے کہ دعوت حق کو نقصان پہنچائیں
(اللہ کی بندگی کرنے کی بجائے) کفر کریں اور اہل
ایمان میں پھوٹ ڈالیں اور (اس بظاہر
عبادت گاہ کو) اس شخص کے لئے کمین گاہ
بنائیں جو اس سے پہلے اللہ اور اس کے
رسول کے خلاف برسرپیکار ہو چکا ہے۔
وہ ضرور قسمیں کھا کھا کر کہیں گے کہ ہمارا
ارادہ تو بھلائی کے سوا کسی دوسری
چیز کا نہ تھا، مگر اللہ گواہ ہے کہ وہ
قطعی جھوٹے ہیں۔ تم ہرگز اس عمارت
میں کھڑے نہ ہونا، جو مسجد اول روز
سے تقویٰ پر قائم کی گئی تھی، وہی اس کے

لئے زیادہ موزوں ہے کہ تم اس میں
عبادت کے لئے کھڑے ہو اس میں ایسے
لوگ ہیں جو پاک رہنا پسند کرتے ہیں اور
اللہ کو پاکیزگی اختیار کرنے والے ہی
پسند ہیں"

ان آیات ربانی کا مقصد تھا کہ حضور سرور کائنات کو ان سازشوں سے آگاہ کیا جائے جو مسجد بنانے کے پس منظر میں موجود تھیں۔ آپ ؐ نے چند صحابہ کو بھجوا کر مسجد کو مسمار کرا دیا۔ اس طرح اسلام اپنے ابتدائی عہد میں ہی تفریق اور شر سے محفوظ ہو گیا۔

ہم مسجد قبا میں داخل ہوئے تو اپنے جلال کے سبب مسجد کی اولیت اور افضیلت ذہن پر ایک خوشگوار رعب بن کر سوار ہو گئی تھی ابو نے بتایا کہ اس مسجد میں دو رکعات نفل ادا کرنے کا ثواب ایک عمرے کے برابر ہے۔ یہ بات محراب کے اوپری حصے میں زبان عربی میں درج تھی۔

میں امی کے ساتھ زنانہ حصہ کی طرف چلی گئی اور ابو مردانہ دوسری طرف، میں نے اور امی نے جی بھر کے نوافل ادا کئے اور اگر یہ خیال نہ آ جاتا کہ باہر ٹیکسی انتظار کر رہی ہے تو جانے کب تک ہم سجدے ادا کرتے رہتے۔ میں اس خیال سے مسکرا دی کہ انسان کس قدر لالچی ہے۔ یوں تو جب ہم نے اس سرزمین پر قدم رکھا ہے ہم خدا کے حضور سربسجود ہیں اور ایک لمحہ بھی ضائع نہیں جانے دیتے، مگر مسجد قبا میں عمرے کے ثواب نے ایک ایسی خواہش کو جنم دیا تھا کہ ایک ایسا سجدہ ادا کیا جائے جس سے آگے کروبیان کے سجدے ثانوی بن جائیں۔ سوچ کے اسی عمل کے ساتھ باہر نکلے ابو اور دوسری سواریاں منتظر تھیں۔

مسجد کے باہر ایک فیملی تصویریں اتار رہی تھی۔ افسوس ہوا کہ ہم اپنا کیمرہ کمرے

میں کیوں چھوڑ آئے جو ان لمحوں کو ہمیشہ کے لئے یادگار بنا سکتا تھا۔ ابو ٹیکسی کی طرف جاتے ہوئے ایک پتھر کے قریب رک کر تحریر پڑھنے لگے ڈرائیور نے ہارن دیا تو واپس لوٹے اور گاڑی میں بیٹھے۔ اب ہماری منزل مسجد قبلتین تھی ابتدائے اسلام میں مسلمان بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھا کرتے تھے' کیونکہ حضرت ابراہیم سے نسبت اور انبیاء کی تعمیر کے حوالے سے اس مقام کو صدیوں سے افضیلت و اہمیت حاصل تھی۔ یہودیوں نے تنہا اس پر کلیم کیا ہے۔ مگر یہ اس لئے درست نہیں کہ انبیاء خواہ بنی اسرائیل سے ہی رہے ہوں' انہیں عسائیت اور اسلام میں بھی اتنا ہی تقدس حاصل ہے۔ جبکہ یہودیوں سے بھی زیادہ اس لئے کہ یہودی صرف نسلی بنیاد پر کلیم کرتے ہیں جبکہ مسلمانوں کا کلیم توحید اور ذات باری کے حوالے سے ہے۔ تاہم یہ حقیقت ہے کہ ساڑھے سات ہزار سال سے یہودی بار بار پروشیلم پر حملہ آور ہوتے اور بار بار تباہ و برباد ہوتے۔ ایک تحقیق کے مطابق یروشیلم سو بار مسمار اور تباہ ہوا۔ یہودی مکر جاتے ہیں اور پھر سو / پچاس سال میں دوبارہ اس طرف آتے اور یہاں موجود آبادیوں کو تباہ و برباد کر دیتے اور قبضہ کر لیتے۔ مگر بالاخر یہاں موجود اقوام دوبارہ انہیں بھگانے میں کامیاب ہو جاتی ہیں۔ حضرت عیسیٰ کی آمد کے بعد جس طرح یہودیوں نے عیسائیوں پر مظالم توڑے وہ تقریباً ایک صدی پر محیط ہیں۔ آخر 86ء میں تنگ آکر یونانی سپہ سالار ہیڈرکس اٹھا اور اس نے یہودیوں کے شہوکے شہر تباہ کر دیئے اور ایک بڑا قتل عام کیا ہیڈرکس نے قسم کھائی کہ جب تک یہودیوں کا ایک بچہ بھی زندہ ہے وہ گھوڑے سے نہیں اترے گا۔ زندگی نے اس کا ساتھ نہیں دیا' مگر اس نے اور پھر اس کے بعد آنے والوں نے تقریباً دو ہزار سال بعد یعنی اس صدی کے بعد یہودیوں نے خود کو امریکہ' برطانیہ' جرمن اور روس کی بعض جگہوں پر خود کو دوبارہ COMPOSE کیا اور آہستہ آہستہ طاقت پکڑتے چلے گئے۔ درمیان میں ہٹلر نے جو اس قوم کی ذہانت اور سازش کے فن سے واقف تھا' چنانچہ

پولینڈ، جرمنی اور مشرقی یورپ کے دوسرے علاقوں میں اس قوم کو دبانے کی کوشش کی، مگر اس صدی کی پہلی ربع صدی تک یہ امریکہ کی قیادت اور عالمی معیشت پر کچھ اس طرح قابض ہو چکے تھے کہ انہیں دبانا اب ہٹلر کے بس کی بات نہ رہی تھی۔ چنانچہ جب جنگ دوم ختم ہوئی تو یہودی امریکہ اور دیگر یورپی ممالک کے وسائل پر قابض ہو کر اصل حکمران بن چکے تھے اس کا نتیجہ اسرائیل کے قیام کی صورت میں سامنے آیا اور اپنی روایت کے مطابق یہودی اس وقت فلسطینیوں پر اسی طرح مظالم ڈھا رہے ہیں جس طرح وہ تاریخ میں کرتے رہے ہیں اور یقین ہے کہ ایک بار پھر انہیں اس سرزمین سے باہر نکلنا پڑے گا۔

میں قبلہ اول کے ساتھ صدیوں پیچھے چلی گئی تھی۔ اس نتیجے پر پہنچی کہ خداوند کریم کی کوئی بات حکمت سے خالی نہیں ہوتی۔ حضور سرور کائنات کا کوئی فیصلہ بے مقصد نہیں تھا۔ آج جس طرح یہودی بیت المقدس پر قبضہ کئے بیٹھے ہیں اگر آج بھی ہم اس طرح سجدہ کر رہے ہوتے تو شاید پوری دنیا اپنی تباہی کی آخری حد تک پہنچ چکی ہوتی۔

کار رک گئی تھی میرے سامنے مسجد قبلتین تھی وہی مسجد جس نے نماز پڑھنے والوں کا رخ تبدیل کر کے انہیں ایک الگ اور افضل مرکز سے ملا دیا تھا۔ اس مسجد میں بھی بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھی جاتی تھی۔ جیسا کہ ابھی کہا ہے کہ بیت المقدس کو تاریخی اور مذہبی حیثیت حاصل تھی اور حضور اکرم کا سفر معراج کا آغاز بھی یہیں سے ہوا تھا۔ لیکن حضور سرور کائنات کی خواہش تھی کہ مسلمان خانہ کعبہ کی طرف منہ کر کے نماز ادا کریں۔ کیونکہ ذہن میں تصور موجود تھا کہ خانہ خدا انبیاء کے جدامجد حضرت ابراہیم نے بنایا تھا اور صدیوں سے اسے خانہ خدا کی حیثیت حاصل تھی۔ چنانچہ نماز کی ادائیگی کے وقت آپ اکثر آسمان کی طرف منہ اٹھائے خدا کو تصور خیال میں بساتے چنانچہ ایک روز جب آپ بنو سلمہ کی اس مسجد میں امامت فرما رہے تھے کہ آپ کی

خواہش کی تکمیل کا وقت آن پہنچا آپ نے دو رکعتیں ادا کی تھیں اور ابھی تیسری رکعت ادا فرما رہے تھے کہ وحی کا نزول ہوا۔

"یہ تمہارے منہ کا بار بار آسمان کی طرف اٹھنا
ہم دیکھ رہے ہیں۔ ہم اسی طرف تمہیں پھیر دیتے ہیں
جسے تم پسند کرتے ہو مسجد حرم کی طرف
اب منہ پھیر دو۔ اب
تم جہاں کہیں بھی ہو اس طرف
منہ کر کے نماز ادا کیا کرو"۔

(سورۃ البقرہ 166)

اور اس حکم کے ملتے ہی حضور نے رخ تبدیل کیا اور تیسرا سجدہ آپ نے خانہ کعبہ کی طرف رخ کر کے ادا کیا۔ وقت کس تیزی سے گزر گیا تھا۔ جب امی نے آواز دی کہ میں ان سے پیچھے رہ گئی ہوں تو میری نظریں صدیوں پیچھے حضور سرور کائنات کے اس فیصلے پر اٹک گئی تھیں، اگر آج بھی بیت المقدس سجدے کا مرکز ہوتا تو ہم مسلمانوں کا کیا ہوتا کیونکہ ہر عہد میں غازی صلاح الدین پیدا نہیں ہوتے خاص طور پر خود فراش قوم صرف محرومیوں کے لئے ہوتی ہے۔ مجھے حضور کا فیصلہ اور خدا کی طرف سے اجازت پر بے اختیار رشک آیا کہ ہمارے ماویٰ و مرجع کس قدر دور بین نظر رکھتے تھے۔

میں جلدی سے امی کے قریب پہنچی ہم اندر داخل ہوئے تو بیسمنٹ کی طرف زینے دکھائی دیئے۔ ہم نیچے جانے لگے تو ایک خاتون نے اشارے سے اوپر جانے کے لیے کہا، میں نے دیکھا کہ مرد نیچے جا رہے تھے اور خواتین اوپر۔ ہم اوپر پہنچیں تو چند خواتین دکھائی دیں ہم نے جلدی سے نوافل ادا کیے اور مسجد کا جائزہ لینے لگے۔ جالیوں کے ذریعے نیچے ہال میں بھی دیکھا جا سکتا تھا، مسجد خوبصورت اور اپنی تاریخی اہمیت کے ساتھ

تعین قبلہ کے حوالے سے افضل بھی تھی۔ میں اور امی دونوں مسجد کے بارے میں باتیں کرتے ہوئے باہر آگئے تو دو ماں بیٹیاں بیٹھیں تھیں۔ ہمیں باہر آتا دیکھ کر اپنے قریب بلایا اور کھجوریں پیش کیں۔ جو ہم شکریئے کے ساتھ لے لیں ان سے اشاروں میں پانی کا پوچھا' بزرگ خاتون نے رہنمائی کی اور ہم ایک کمرے میں پہنچے جہاں ٹھنڈے پانی کے کولر پڑے تھے۔ پانی پی کر باہر نکلے تو ابو نظر آئے ان سے مسجد کے بارے میں گفتگو کرتے ہوئے گاڑی تک پہنچے۔ اب ہماری اگلی منزل جبل احد تھی۔ یہ وہی مقام ہے جہاں جنگ احد لڑی گئی اور جس میں حضورؐ کے فرمان سے روگردانی کی سزا کے طور پر مسلمانوں کو زبردست ہزیمت اٹھانی پڑی تھی۔ اس جنگ میں کفار تین ہزار حملہ آوروں کا جنگجو دستے کے ساتھ میدان میں اترا تھا جبکہ مسلمانوں کے پاس صرف سات سو کی جمیعت تھی۔ اس جنگ میں حضورؐ سرور کائنات خود میدان میں اترے تھے۔

اس جنگ کی دو بڑی خوبیاں ہیں۔ ایک یہ کہ اس جنگ میں حضورؐ ایک زبردست منصوبہ بندی کے حوالے سے سامنے آئے۔ ان کی پلاننگ اس قدر زبردست تھی کہ جنگ کے آغاز میں ہی دشمن کے پاؤں اکھڑنے لگے تھے۔

دوسری اہم بات یہ تھی کہ نبیؐ کے ارشاد پر پوری طرح عمل نہ کرنا اور ان کی ہدایت پر عمل نہ کرنا' اور سراسر گھاٹے کا سودا تھا۔ ہوا یہ کہ آپؐ نے ۵۰ تیر اندازوں کو ایک خاص مقام پر کھڑا کیا اور کہا کہ کچھ بھی حالات ہوں وہ یہ جگہ نہ چھوڑیں۔

حضورؐ کی مضبوط پلاننگ کا نتیجہ تھا کہ کفار مکہ کے جلدی پاؤں اکھڑ گئے اور وہ میدان سے بھاگ کھڑے ہوئے۔ مسلمانوں نے انہیں بھاگتے ہوئے دیکھا' تو ان کا پیچھا کرنے لگے۔ جذبہ فتح کے سبب ان تیر اندازوں نے بھی اپنی جگہ چھوڑ دی۔ جن کو آپؐ نے ہر صورت اپنی جگہ پر رہنے کی ہدایت کی تھی۔ کفار مکہ کا ایک ٹکڑا جو خالد بن ولید کی قیادت میں تھا' اس نے خالی جگہ دیکھی تو اس طرف سے حملہ کر دیا اور جلدی جنگ کا

نقشہ بدل کر رکھ دیا۔ مسلمان گھیر گئے اور وہ جنگ جو مسلمانوں نے جیت لی تھی۔ حضور سرور کائناتؐ کی حکم عدولی کے سبب شکست میں بدل گئی۔ اس جنگ میں آپؐ کا دندان مبارک بھی شہید ہوا اور آپؐ کے چچا اور اسلام کے عظیم سپہ سالار حضرت حمزہ کی شہادت بھی یہیں واقع ہوئی اور ان کی شہادت کے ساتھ ایک ایسا واقعہ بھی رونما ہوا جسے انتقام کی دنیا میں بدترین مثال کے طور پر پیش کیا جاتا ہے۔ اس جنگ میں ابوسفیان کی بیوی ہندہ نامی خاتون کا باپ حضرت حمزہ کے ہاتھوں مارا گیا تو ہندہ نے قسم کھائی کہ وہ اپنے باپ کے قاتل کا کلیجہ کچا چبا جائے گی۔ چنانچہ اس نے جنگ احد میں غالب آنے کے بعد حضرت حمزہ کی نعش مبارک تلاش کی، اور کلیجہ نکال کر چبا گئی۔ یہ حضور کی نافرمانی کی بدترین سزا تھی جو مسلمانوں کو ملی۔ اس جنگ میں ستر مسلمان شہید ہوئے۔

اس وقت ہم بڑے سے سلاخوں دار پھاٹک کے سامنے کھڑے ایک احاطے میں چٹیل میدان میں ان ستر شہیدوں کے لیے فاتحہ پڑھ رہے تھے جن کی قبریں سعودی حکمرانوں نے مسمار کر دی ہیں۔ ابو بتاتے ہیں کہ جب وہ پہلے یہاں آتے تھے، تو یہ دیوار نہ تھی اور حضرت حمزہ کا مقبرہ بھی محفوظ تھا۔ اب سب کچھ چار دیواری میں بند کر دیا گیا ہے اور فاتحہ پڑھنے کے لیے سلاخیں کھڑی کر دی گئیں۔ میں نے ابو سے پوچھا آخر ان لوگوں کو اسلام کے ان اکابرین سے کیا خطرہ ہے کہ انہیں ہر جگہ چاردیواریوں میں قید کر رکھا ہے۔ ابو نے کہا بیٹا اسلام ملوکیت کے خلاف آیا تھا چنانچہ بادشاہت کو ہی اسلام سے بڑا خطرہ ہے۔ جہاں بادشاہت ہوگی وہاں اکابرین اسلام قید میں ہوں گے۔ خواہ وہ صدیوں پہلے دنیا سے رخصت ہو چکے ہوں۔

ہم نے فاتحہ پڑھی اور ابو نے قریب ہی کھجور کی دکانوں سے کھجوریں خریدیں۔ ہمارے دائیں جانب جبل احد کی وہ پہاڑی تھی جہاں جنگ لڑی گئی تھی۔ ہم کچھ فاصلے تک بڑھے اور پھر وقت کی تنگی کے سبب آگے روانہ ہوگئے۔ اب ہماری منزل وہ تاریخی

مقام تھا جس کی تعریف اس عہد کے ماہرین جنگی منصوبہ بندی نے کی۔ بریگیڈیر گلزار احمد نے اس پر باقاعدہ طویل ماہرانہ بحث کی ہے۔ ماہرین کا خیال ہے کہ کم تر جمعیت کے ساتھ بڑے سے بڑے لشکر کا راستہ روکنے کی جو پلاننگ حضور سرور کائناتؐ نے اپنے رفقاء خصوصاً حضرت سلمان فارسی کی مشاورت سے کی تھی' اس نے جنگ کا نقشہ بدل دیا تھا۔ کفار مکہ نے جب دیکھا کہ ان کا ہر حربہ ناکامی کی طرف بڑھ رہا ہے۔ تو آخری حملہ کے طور پر انہوں نے مدینہ پر چڑھائی کا فیصلہ کیا اور مدینہ کی طرف بڑھے۔ حضورؐ نے اپنی جنگی قوت کا اندازہ لگایا اور دفاعی حکمت عملی اختیار کرنے کا فیصلہ کیا۔ انہوں نے اپنی پشت پر جبل سلع رکھا اور شہر کے گرداگرد خندق کھودی۔ دشمن پورے کروفر سے مدینہ کی حدود میں داخل ہوا اور پھر خندق نے اس کا راستہ روک دیا۔ دشمن پوری تیاری کے ساتھ آیا تھا۔ چنانچہ اس نے شہر کا محاصرہ کر لیا۔ وقت کے ساتھ ساتھ محاصرہ بھی طویل ہو تا گیا۔ مگر خدا نے نصرت اسلام کے لئے لکھی تھی۔ ایک رات زبردست طوفان آیا اور کفار کے خیمے اکھڑ گئے۔ ساری خوراک خاک میں خاک ہوئی اور آخر اسے جان بچا کر بھاگنا پڑا اور اس طرح خدا نے اپنی غیبی امداد سے مسلمانوں کو فتح و نصرت سے ہمکنار کیا۔

ہم اس وقت اس میدان میں کھڑے تھے جہاں خندق کے اندر والی اطراف میں اکابرین اسلام مورچہ بند تھے جو مجاہد اعظم جہاں تھا اس کی وہیں ایک یادگار بنادی گئی۔ یہ یادگار مساجد کی صورت جبل سلع کے دامن میں واقع ہے۔ ہم نے ایک طرف سے مسجد کا دورہ شروع کیا۔ یہ چھ مساجد ہیں جن میں مسجد ابوبکر صدیقؓ۔ مسجد عمر فاروقؓ۔ مسجد سلمان فارسیؓ۔ مسجد علیؓ۔ مسجد فاطمۃ الزہرہؓ اور مسجد فتح تھی۔ مسجد فتح زیادہ بلندی پر تھی۔ اس کے بارے میں روایت ہے کہ حضورؐ نے تین دن تک یہاں کھڑے ہو کر خداوند کریم سے دعا فرمائی تھی۔ بالا آخر دعا مستجاب ہوئی۔

ہم نے باری باری تمام مساجد میں نوافل ادا کیے، دعائیں مانگی اور ان عظیم شخصیات کے لیے فاتحہ خوانی کی جو اس جنگ میں شریک تھے۔ یہ مساجد ایک دوسرے سے فاصلے پر ہیں۔ ہوا یہ کہ محاصرے کے دوران جو اصحاب رسولؐ جہاں تعینات تھے، وہ مورچے نہ چھوڑتے تھے۔ چنانچہ نماز بھی وہیں ادا کرتے تھے حضرت سلمان فارسیؓ، حضرت علیؓ، حضرت ابو بکرؓ، حضرت عمر فاروقؓ اور حضرت فاطمہؓ جہاں جہاں بھی جنگ کے دوران قیام پذیر تھے وہیں وہ اور نماز ادا کرتے تھے۔ یہ مساجد ہیں و یادگار کے طور پر قائم ہو گئی تھیں۔ یہ جنگ خندق کی یادگار بھی ہیں اور جنگی حکمت عملی کی شاندار مثال بھی۔ مساجد چھوٹی چھوٹی اور خوبصورت ہیں۔ مگر جس چیز نے اذیت دی وہ بعض مساجد کی حالت زار تھی۔ جس وقت ہم مختلف مساجد میں نوافل ادا کر رہے تھے اس وقت ہلکی ہلکی پھوار پڑ رہی تھی۔ جب ہم مسجد فاطمۃ الزہرہ پہنچے تو یہ دیکھ کر دکھ ہوا کہ حضورؐ جن کی شفقت اور مہربانی کا سایہ پوری انسانیت پر ہے، ان کی صاحب زادی کے نام پر قائم یہ مسجد چھت کے سائے سے بھی محروم تھی۔ ایک دو دوسری مساجد کی حالت بھی کچھ زیادہ اچھی نہ تھی مگر حضرت فاطمہؓ کے نام پر قائم اس مسجد کی زبوں حالی سے دکھ ہوا۔ سعودی عرب حکومت کا یہ واقعتاً کارنامہ بھی ہے کہ وہ کروڑوں ریال خرچ کر کے بعض تاریخی مساجد کی مرمت توسیع اور تزئین کر رہا ہے۔ مگر مسجد حضرت فاطمہ کو بے چھت دیکھ کر احساس ہوا، کہ خدا کے گھر کی تعمیر میں بھی تعصب کی نظر اس مسجد کی اس حالت کی ذمہ دار ہے۔ جب ہم نوافل ادا کر رہے تھے، اوپر سے بارش ہو رہی تھی۔ زمین پر سادہ سرخ رنگ کے سینتھیٹک قالین تھے۔ چنانچہ بارش میں گیلے ہونے کے سبب نمازیوں کے کپڑے بھی سرخ ہوئے جا رہے تھے۔ ہم نے دوسری مساجد کی نسبت یہاں زیادہ نوافل ادا کیے کیونکہ ہم نے اندازہ لگایا کہ کپڑے خراب ہونے کی وجہ سے لوگ جلدی جلدی یہاں سے نکل جاتے ہیں۔ آخری نماز ہم نے مسجد فتح میں ادا کی اور باہر نکل آئے۔ ڈرائیور

ہمارا انتظار کر رہا تھا۔ ظہر کا وقت ہونے والا تھا۔ ہم نماز مسجد نبوی میں ہی ادا کرنا چاہتے تھے۔ اور ابھی دیکھنے کو بہت کچھ تھا۔ تاہم ہم نے کچھ وقت اور کچھ نوافل مسجد جمعہ۔ مسجد غمامہؓ۔ مسجد ابوبکرؓ مسجد عمر فاروقؓ اور مسجد علیؓ میں ادا کیے اور واپس مسجد نبوی پہنچے۔ نماز ادا کی اور معمول میں لوٹ آئے۔

عشاء کی نماز ادا کرنے اور کھانا کھانے کے بعد جب ہم اپنے بستروں پر دراز ہوئے تو دن بھر میں دیکھی ہوئی مساجد فلم کی طرح ذہن کے پردے پر آنے لگیں۔ ان مساجد سے ہوتے ہوئے میرا ذہن فیصل مسجد کے اونچے میناروں تک جا پہنچا مجھے فخر محسوس ہوا کہ پاکستان میں بھی عظیم مساجد نہ صرف عہد قدیم میں بنیں بلکہ جدید عہد میں بھی بن رہی رہی ہیں۔ ٹھٹھہ کی شاہجہانی مسجد' لاہور کی شاہی مسجد' پشاور کی مسجد مہابت خان۔ پھر میرے ذہن میں عجیب کیفیت ابھرنے لگی۔ وہ مدینہ کی مساجد میں ہر جگہ ایک اداس سی خاموش اور تقدس تھا۔ یہ کیفیت اس وقت بھی محسوس ہوتی ہے جب مسجدوں میں زیادہ لوگ ہوتے ہیں۔ بعض مسجدوں میں یہ اداسی شاید اس لیے بھی ہو کہ ان کی زبوں حالی لوگوں کو اداس کر دیتی ہے۔ شاید اس کا ایک سبب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہاں کی مساجد اپنے تاریخی تقدس کے حوالے سے لوگوں کو اسقدر متاثر کر رہی ہیں کہ لوگوں کی اونچی آوازیں ہونٹوں تلے دب کر رہ جاتی ہیں۔ مگر ہم لوگ جو تقدس نام کی کسی چیز سے واقف نہیں اور شور کلچر کے عادی ہیں۔ ہمارے لیے یہ بات نئی ہے۔ شور کلچر کا ذکر بطور خاص اس لیے کیا ہے کہ ہمیں دو ایک بار مہمانوں کے ساتھ شاہ فیصل مسجد جانے کا اتفاق ہوا۔ جس انداز بدتمیزی کا مظاہرہ دیکھنے کو ملا دکھ ہوا اور وہاں جانے کو جی نہیں چاہتا۔ مسجد کے باہر کسی تیسرے درجے کے میلے کا سماں ہوتا ہے۔ مختلف چناں چور۔ پاپڑ۔ آئس کریم۔ جوسس۔ چاٹ والے آوازیں لگا رہے ہوتے ہیں نوجوانوں کے ہاتھوں میں پھوڑیاں ہوتی ہیں۔ اور وہ کچھ ہوتا ہے جو مسجد کے تقدس کی پامالی کے لیے کافی ہوتا ہے۔ کچھ شرفا ہوتے

ہیں اور حد افسوس یہ ہے کہ نماز کے وقت ان لوگوں کی تعداد ہزار گنا زیادہ ہوتی ہے جو نماز پڑھنے کے بجائے باہر گھومتے پھرتے رہتے ہیں۔ شاید اسی لیے شور کلچر کے ہم عادی لوگ ان مساجد میں ایک خاموشی اور اداسی کو محسوس کر لیتے ہیں۔ مگر مجھے یہ کہتے ہوئے بڑی خوشی ہوتی ہے۔ جب اس اداس اور خاموش فضا میں خدا کو آواز دی جاتی ہے۔ اس کی ثناء ہوتی ہے۔ تو جواب کی بازگشت خود انسان اپنے اندر سے سنتا ہے۔ جیسے آپ نے کسی کو پکارا اور اس نے آپ کی آواز کی بازگشت میں اپنی آواز بھی ملا دی ہو۔ پھر ساری چیزیں۔ سارا ماحول ساری فضا ایک تقدس میں ڈوب جاتی ہے اور انسان موسیٰ کا چرواہا بن کر براہ راست خدا سے ہم کلام ہو جاتا ہے۔ عجب منظر ہوتا ہے۔ انسان خود کو اپنے قد سے بڑا محسوس کرنے لگتا ہے۔ خدا کے قرب کا احساس انسان کو کسی قدر بڑا بنا دیتا ہے۔ مجھے یوں محسوس ہوا جیسے ہمارا یہاں آنے کا مقصد پورا ہو گیا ہے۔ ہم نبی کریم کے پڑوس میں تھے۔ اتنے قریب کہ مسجد نبوی کے قریب سے گزرتی ہوا ہماری سانسوں میں تازگی بھر رہی تھی۔ یوں لگتا تھا جیسے وقت تھم گیا ہو اور پھر رکے ہوئے وقت کی کسی ساعت میں نیند نے غلبہ حاصل کر لیا ہے اور اس طرح مقدس سرزمین پر ایک اور خوشگوار دن اختتام کو پہنچا۔



اگلے کئی دن روضہ حضورؐ کے سائے میں گزرے گئے۔ صبح سے عشاء تک مسجد نبوی میں حاضری، قابل ذکر جگہوں کی زیارتیں اور ہوٹل الروحہ کا کمرہ وقت کو پر لگا کر اڑ رہا تھا۔ ہماری واپسی کا دن قریب آیا تو فیصلہ ہوا کہ کچھ شاپنگ کی جائے گی۔ چنانچہ سب سے پہلے کھجوریں خریدی گئیں اور مدینہ سے ہی احباب کی فہرست بنا کر تسبیح بھی خرید لی گئیں۔ ایک روز جب ہم شاپنگ مکمل کر کے مسجد نبوی کی طرف جانے لگے تو ابو نے کہا کہ میں سامان اوپر ہوٹل میں رکھ کر آتا ہوں۔ ساتھ ہی انہوں نے بتایا کہ جس ہوٹل میں وہ پشاور میں رہتے ہیں اس کے مالک نے فرمائش کی تھی کہ روضہ حضور پر دعا کے

ساتھ ساتھ مسجد نبوی سے ہمارے لیے پانی لے کر آئیں چنانچہ ابو نے کہا کہ میں نے اوپر بوتل رکھی ہے وہ بھی لے آوں تاکہ پانی بھر لیں۔ امی کہنے لگیں کہ پھر ایک بوتل کیوں آپ چھوٹے جری کین بھر لیں۔ ہم بھی پاکستان جاکر استعمال کریں گے۔ چنانچہ ایک ایک لیٹر کے چار جری کین خرید لیے گئے۔ ابو سامان رکھنے اوپر گئے' میں اور امی باتیں کرتے ہوئے آہستہ آہستہ مسجد نبوی کی طرف چل دیے۔ ساتھ ہی ساتھ پیچھے بھی دیکھتے جاتے' ہم مسجد نبوی تک پہنچ گئے' مگر ابو کہیں نظر نہ آئے۔ اب ہمیں پریشانی لاحق ہوئی پریشانی کی ایک وجہ تو یہ تھی کہ ابو کہاں چلے گئے' دوسری یہ کہ ہم نے وہاں کھڑے ہو کر انتظار کیوں نہ کیا۔ اب واپس جانا فضول تھا' یہ طے پایا کہ وہیں کھڑے ہو کر انتظار کیا جائے۔ جوں جوں وقت گزرتا جاتا سعودی عرب کے بارے میں سنے ہوئے واقعات آنکھوں کے سامنے خوفناک نقشہ کھینچنے لگے۔ چند سال قبل ایک پاکستانی جو سعودی عرب میں کہیں اعلیٰ عہدے پر ملازم تھا' ایک دن اس کی بیوی سخت بیمار ہوئی' اس نے اپنے بچوں کو گھر میں چھوڑا کہ ابھی واپس آجائے گا۔ دروازہ باہر سے بند کر دیا اور ہسپتال کی طرف چل پڑا۔ جلدی میں تھا' اشارہ کراس کر گیا۔ پیچھے سے پولیس والے پہنچ گئے۔ وہ ہسپتال ہسپتال چیختا رہا اور شرطے اسے جیل میں ڈال آئے۔ بیوی گاڑی میں فوت ہو گئی چار دن بچوں تک کوئی نہ پہنچا' بچے فلیٹ میں مر گئے اور جب وہ رہا ہوا' تو ان صدمات کے ہاتھوں پاگل ہو چکا تھا۔

پھر ایک ایک کر کے اخباروں میں پڑھے ہوئے واقعات آنکھوں کے سامنے آنے لگے۔ امی اور میں دونوں ہی رونے لگیں اور حضورؐ کے روضے کی طرف منہ کر کے دعا کی کہ اے خدا ہمیں امتحان میں نہ ڈال۔ ابھی دعا ختم نہ ہوئی تھی کہ سامنے گلی سے ابو آتے دکھائی دیے۔ ان کا رنگ اڑا ہوا' چہرے پر پریشانی اور جونہی ان کی نظر ہم پر پڑی ان کے دونوں ہاتھ اپنے چہرے کی طرف اٹھ گئے۔ یوں لگا جیسے وہ شدید پریشان ہوں۔ پھر

ان کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا۔ مگر روضے کی طرف دیکھ کر صرف اتنا ہی کہا کہ اگر تم اس وقت سایہ رسولؐ میں نہ ہوتیں تو۔............ تاہم جب ہم ظہر کی نماز پڑھ کر واپس ہوٹل پہنچے' اور کھانا کھاتے ہوئے کچھ نارمل ہوئے تو ابو نے بتایا کہ جب سامان رکھ کر واپس آئے تو انہوں نے ہمیں نہ پایا' پہلے تو سمجھے کہ کسی دکان میں ہوں گے اور جب ارد گرد کی دکانوں میں بھی ہمیں نہ پایا تو پریشانی نے آن گھیرا۔ چنانچہ اردگرد کی مارکیٹوں میں دیکھنا شروع کیا یہاں تک کہ جہاں وہ ہمیں چھوڑ کر گئے تھے وہاں کے دکان داروں سے بھی پوچھا۔ جوں جوں وقت گزرتا جاتا ان کی پریشانی میں اضافہ ہوتا گیا اور جب مایوسی بڑھنے لگی اور پریشانی میں اضافہ ہوا تو معاً خیال آیا کہ ہم لوگ مسجد نبوی کی طرف نہ گئے ہوں۔ ابو کی پریشانی کی سب سے بڑی وجہ تھی۔ کہ ہم ان کے بغیر ایک قدم بھی نہ اٹھاتے تھے۔ جب انہوں نے ہمیں دیکھا تو کچھ مطمئین ہوئے تاہم یہ نصف گھنٹہ ان کے لیے اور ہم دونوں کے لیے بھی ایک بہت بڑی سزا بن گیا تھا۔

نماز کی ادائیگی کے بعد کچھ شاپنگ کی اور ہوٹل سے ہو کر واپس روضہ رسولؐ پہنچ گئے۔ چونکہ دوسرے دن واپسی تھی' لہٰذا ہم زیادہ سے زیادہ وقت مسجد نبوی میں گزرنا چاہتے تھے۔ رات ڈوبنے لگی اور عشاء کی نماز کے بعد مسجد خالی ہوئی تو ہم بھی واپس آگئے اور اس طرح ہماری زندگی کا ایک اور قیمتی دن گزر گیا۔ ایک ایسا قیمتی دن جس کے ایک ایک لمحے سے ہم نے حظ اٹھایا تھا۔ ایک ایک لمحہ بارگاہ حبیب میں گزارا تھا اور ایک ایک لمحہ ہمارے سکون کا لمحہ تھا۔ ایک ایسا سکون جو دل اور روح کو نہ ختم ہونے والی آسودگی عطا کرتا ہے۔

آخر وہ دن آپہنچا جب ہمیں اس مقدس فضا کو چھوڑ کر مکہ کی طرف روانہ ہونا تھا۔ میرا اور امی کا خیال یہ تھا کہ گاڑی کرائے پر لینے کے بجائے بس سے سفر کیا جائے لیکن ابو نہ مانے ان کا کہنا تھا کہ سفر طویل ہے لہٰذا آسودگی سے ہو تو بہتر ہے لیکن عجیب بات یہ

تھی کہ دوپہر تک گاڑی کا بندوبست نہ ہوسکا۔ تقریباً ۱۰:۰۰ بجے روضہ رسولؐ پر الوداعی حاضری اور سلام کے لیے پہنچے اور دعا کی کہ اے خدا تو ہماری اس حاضری کو قبول فرما اور ہمیں دوبارہ زیارت کا موقعہ دے۔ جب ہم باہر نکلے تو ہمیں ایسے محسوس ہو رہا تھا کہ جیسے بہت قیمتی چیز چھوڑ کر جا رہے ہوں۔

ظہر کی نماز ادا کرنے کے بعد ہم نے فیصلہ کیا کہ جس ڈرائیور سے بات کی تھی وہ اگر نہیں بھی آتا تو تب بھی ہمیں کسی نہ کسی ٹیکسی کا بندوبست کر کے روانہ ہو جانا چاہیے۔ چنانچہ مسجد نبوی کے سامنے کھڑے مختلف ٹیکسی ڈرائیوروں سے بات کی کوئی ۴۰۰ ریال مانگ رہا تھا کوئی ۳۵۰ ریال آخر ایک سے ۳۰۰ ریال میں فیصلہ ہوا اور ہم ہوٹل پہنچے جب ہوٹل میں داخل ہوئے تو معلوم ہوا کہ وہ ٹیکسی والا بھی آگیا ہے جس سے پہلے بات کی تھی اور فیصلہ ۲۵۰ ریال میں ہوا تھا ابو سوچنے لگے کہ کس کو انکار کریں تو وہ جس سے بعد میں بات ہوئی کہنے لگا کہ آپ نے پہلے جس سے بات کی ہے آپ ان کے ساتھ ہی چلے جائیں۔

ہم نے سامان سمیٹا کچھ ڈرائیور نے اور کچھ ہم اٹھایا اور گاڑی کی طرف آگئے۔ دوپہر کا وقت تھا اور ہم کچھ اتنی جلدی سے تیار ہوئے کہ کچھ کھانے کا بھی وقت نہ ملا۔ اس لیے چلتے چلتے دو نان لیے اور الوداعی نظر روضے کے دروازے پر ڈالی اور پھر رفتہ رفتہ حضورؐ کا روضہ، مدینے کی گلیاں، کالی شفاف سڑکیں، اونچے اونچے مکان، خوبصورت ہوٹل اور کھجور کے درخت سب کچھ پیچھے رہ گیا۔ سامنے ایک طویل سڑک تھی جس کا کوئی اختتام نظر نہ آتا تھا اور پیچھے دور تک وہ سڑک تھی جسے ہم لمحہ لمحہ گزار رہے تھے۔ رات کی بارش کا اندازہ سڑک کے کنارے پانی کی جھیلوں سے ہوتا۔ چند دن پہلے جب ہم یہاں سے گزرے تھے تو دور تک ریت کے خشک ٹیلوں کے سوا کچھ بھی نہ تھا۔ ابھی ہم نے کوئی دو ڈھائی گھنٹے کا سفر طے کیا تھا۔ کہ اچانک ایک سڑک کی ساری ٹریفک بند ہوگئی اور سنگل

سڑک پر دو طرفہ ٹریفک جاری ہو گئی ایک جگہ ڈرائیور نے رک کر پوچھا تو معلوم ہوا کہ آگے رات کی بارش کے سبب پہاڑوں سے بہتی ہوئی ریت اور مٹی سڑک پر پہاڑ بن کر جم گئی ہے اور بڑے بڑے تودے ساری ٹریفک کو روکے کھڑے تھے۔ اسقدر مٹی اور ریت سڑک پر جمع تھی کہ بڑے بڑے ۳۰، ۴۰ بلڈوزر سڑک سے مٹی اٹھا اٹھا کر پھینک رہے تھے لیکن بمشکل ایک سائیڈ ٹریفک کے قابل ہو سکی تھی۔

یہاں ایک عجیب و غریب منظر دیکھنے کو ملا مختلف جگہوں پر پانی جمع تھا یا بہہ رہا تو عربی خاندان اپنے بال بچوں سمیت اس جمع شدہ پانی کے کنارے پکنک منا رہے تھے۔ ڈرائیور جو حد درجہ باتونی ثابت ہوا، ابو کو بتا رہا تھا کہ ان علاقوں میں بارش نہیں ہوتی اور جب ہوتی ہے تو یہاں کے ندی نالے اور نشیبی علاقوں میں پانی کھڑا ہو جاتا ہے، خصوصاً یہ وادی جہاں سے ہم گزر رہے ہیں۔ پیالہ نما ہے جب یہاں پانی کھڑا ہو جاتا ہے، تو مکہ، مدینہ اور دور دراز کے علاقوں سے لوگ آتے اور پکنک کا لطف لیتے ہیں۔ آج کا دن ان لوگوں کے لیے بڑا مبارک ہے، کیونکہ اب یہ لوگ آجائیں گے اور رات بھی جگمگا اٹھے گی۔ جنریٹروں کے ذریعے پورا علاقہ روشن ہو جاتا ہے۔ ڈرائیور اپنی گاڑی کی تیز ترین رفتار سے ہم آہنگ مسلسل بولے جا رہا تھا اور میں آئندہ مراحل کے بارے میں سوچ رہی تھی۔ ہم بڑی تیزی سے مکہ کے قریب ہو رہے تھے۔ ہم نے مسجد عائشہ رک کر احرام باندھنا تھا اور دوسرے عمرے کی سعادت حاصل کرنا تھی۔

جوں جوں ہم مکہ کے قریب ہوتے جاتے دل پر چھائی اداسی کم ہوتی جا رہی تھی۔ کیونکہ خدا اور حضورؐ کی جنم بھومی کے حوالے سے دل مطمئین تھا۔ پروگرام طے تھا کہ عمرے کی ادائیگی کے بعد ہم مکہ کی گلیوں میں گھومیں گے۔ میں ادھیڑ بن میں تھی کہ گاڑی رک گئی، سامنے مسجد عائشہ اپنے پورے جمال اور جلال کے ساتھ ا۔ستادہ تھی، یہاں سے ہمیں احرام باندھ کر عمرے کی نیت کرنا تھی۔ اس مقام کو میقات کا درجہ حاصل ہے۔

کار سے اترے تو راستے کی مسافت نے وجود کو تھکا دیا تھا' مگر دوبارہ عمرے کی سعادت حاصل کرنے کی خواہش نے تھکن دور کر دی۔ ہم خواتین کے لیے مخصوص واش رومز کی طرف چلے گئے اور ابو مردانہ حصے کی طرف۔ احرام اور عمرے کی نیت باندھ کر جب ہم باہر آئے تو ابو کو منتظر پایا۔ ہم مسجد عائشہ پہنچے۔ نوافل ادا کیے اور پھر جانب مکہ روانہ ہوئے۔ لبوں پر تلبیہ تھی۔ بار بار تلبیہ پڑھتے ہوئے مکہ کے قریب پہنچے اور پھر شہر میں داخل ہونے کی دعا مانگتے ہوئے خود کو مالک کون و مکاں کے سپرد کر دیا۔

لبیک اللھم لبیک

حرم شریف کے تین اطراف چکر لگا کر ہم مسفلہ کے علاقے میں آئے۔ سامان رکھا اور عمرے کی ادائیگی کے لیے حرم شریف پہنچے۔ اندر داخل ہوتے ہی ایک عجیب قسم کا سرور محسوس ہوا جیسے بے پناہ آسمان سے' اس کی پناہ میں آ گئے ہوں۔ جس سے سدا دعائیں مانگتے رہے تھے۔ ایک طمانیت کا احساس رگ رگ میں لرزاں تھا۔ خانہ کعبہ پر نظر پڑتے ہی بے ساختہ سجدے میں گر گئی احساس تشکر آنکھوں سے آنسوؤں کی صورت بہنے لگا میں نے خود کو دنیا کی خوش نصیب لڑکی سمجھا' جس پر خدا نے اتنا کرم کیا کہ میں دوسری بار خداوند کریم کے حضور پر حاضر تھی۔ پھر ہم نے تینوں حجر اسود کے سامنے پہنچ کر طواف کی نیت کی اور پہلے کی طرح خانہ کعبہ کا طواف' مقام ابراہیم پر نوافل' سعی' صفا و مروہ اور آخر میں قصر کے بعد عمرے سے فارغ ہو کر مقام ابراہیم پر واپس پہنچے۔ کچھ ہی دیر میں عشاء کی اذان ہو گئی۔ نماز ادا کرنے کے بعد امی نے کہا کہ وہ مقام ابراہیم پر زیادہ سے زیادہ نوافل ادا کرنا چاہتی ہیں۔ چنانچہ ہم نے نوافل ادا کیے' طواف کیا اور رات گئے ہوٹل پہنچے اور اس طرح روضہ رسولؐ سے مقام خدا تک ایک سفر مکمل ہوا اور ہم نے دن کو اپنی روح میں بھرا اور نیند کی آغوش میں جا پہنچے۔

صبح جب امی نے مجھے جگایا تو ابو اور امی دونوں تیار نظر آئے' کہنے لگے کہ ہم

تمہیں سویا چھوڑ کر جا رہے تھے میں جلدی سے اٹھی اور وضو کر کے تیار ہو گئی۔ اذان کا پوچھا۔ بولے تہجد کی آذان ہو چکی' ہم نوافل ادا کریں گے اس لیے جلدی تیار ہو گئے۔ جب ہم حرم شریف کے قریب پہنچے تو ہمارے راستے میں بے شمار کبوتر بیٹھے ہوئے تھے ابھی تک سوڈانی عورتیں اور بچے نہیں آئے تھے۔ چنانچہ کبوتر اپنی جگہ چھوڑ راہگزر پر آگئے تھے۔ میں نے سوچا یہ بے چارے اپنے شکم کو بھرنے کے لیے ادھر آنکلے ہیں۔

میرے ذہن میں قدیم تاریخ ابھرنے لگی ان کبوتروں کو طوفان نوح سے بچ رہنے والے' اس کبوتروں کی جوڑی کی اولاد سے نسبت دی جاتی ہے جس نے حضرت نوح کو طوفان کے اترنے کی خبرلا کر دی تھی۔ عہد نامہ قدیم میں اس کا واقعہ یوں درج ہے۔

> "پھر اس نے کبوتری اپنے پاس سے اڑا دی تاکہ دیکھے پانی زمین پر ہے کہ نہیں۔ پر کبوتری نے پنجے ٹیکنے کی جگہ نہ پائی اور اس کے پاس کشتی مین لوٹ آئی۔ تب سات دن ٹھہر کر اس نے کبوتری کو پھر کشتی سے اڑا دیا۔ اور پھر وہ کبوتری شام کے وقت اس کے پاس لوٹ آئی اور دیکھا تو زیتون کی ایک تازہ پتی اس کی چونچ میں تھی۔"

علی بن برہاالدین جلبی نے کبوتری کی جگہ کبوتر کے جوڑے کا ذکر کیا ہے۔ اور اس ضمن میں اضافہ بھی کیا کہ جب کبوتر واپس آتا تو اس کے پنجوں پر اس تیلے کی سرخ مٹی لگی ہوئی تھی جس پر حرم شریف قائم ہوا۔ چنانچہ حضرت نوح علیہ السلام نے کبوتر کی جوڑی سے کہا کہ وہ وہیں جا کر رہے اور آج موجود ہزاروں کبوتر اسی جوڑے کے سبب ہیں۔

ایک نکتہ نظریہ بھی ہے کہ موجودہ کبوتر اس جوڑے کی اولاد ہیں جس نے غار ثور کے دہانے پر انڈے دے دیئے تھے۔ جہاں آپ سرور کائنات ؐ اور حضرت ابوبکر صدیق ؓ

نے ہجرت کے وقت پناہ لی تھی۔ مگر دونوں روایتوں کو ضعیف جانا گیا ہے کیونکہ دونوں کے پیچھے تاریخ یا مذہبی شہادتیں موجود نہیں تاہم یہ صحیح ہے کہ کبوتر صرف اسی جگہ اپنی پوری جمیعت کے ساتھ رہتا ہے جہاں اسے امن اور سکون کی زندگی میسر ہو۔ سنا ہے کہ لندن کے ٹریفالگر سکوئر میں بھی ہزاروں کبوتر موجود ہیں جو سیاحوں کی توجہ مبذول کرا لیتے ہیں۔ خانقاہوں پر بھی بڑی تعداد میں کبوتر ہوتے ہیں۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ ایسی جگہوں پر عقیدتاً لوگ باجرہ یا گیہوں وغیرہ کبوتروں کے آگے ڈال دیتے ہیں اس سے ''معیشت'' کا مسئلہ حل ہونے کے سبب کبوتر یہیں بسیرا کر لیتے ہیں۔

میں کبوتروں کے ساتھ تاریخ میں دور تک جاتی ہوئی خانہ کعبہ کے عین سامنے موجود تھی۔ ابو کچھ فاصلے پر نوافل ادا کر رہے تھے اور امی میرے قریب ہی سجدے میں تھیں۔ میں نے جلدی سے نیت باندھی اور خدا کے حضور حاضر ہو گئی۔

ابھی ہم نے چند نوافل ادا کیے تھے اور فجر کی اذان نہ ہوئی تھی کہ ابو نے اشارے سے ہمیں اپنے قریب بلاتا اور کہا کہ طواف ادا کرتے ہیں۔ ہم حجر اسود کے قریب پہنچے طواف کی نیت باندھی اور طواف میں مصروف ہو گئے۔ امی رکن ایمانی پر جا کر رک گئیں خانہ کعبہ کے ساتھ سر ٹیک کر دعا میں مصروف تھیں میں بھی ان کے قریب ہی کھڑی ہو گئی اور خدا کے سامنے اور اس کے گھر کی دیواروں کے سامنے سر ٹیک کر دعائیں مانگنے لگی۔ اپنی امی کے لیے، ابو کے لیے، اپنے بھائیوں کے لیے، اپنے عزیزوں اور رشتہ داروں کے لیے اور خود اپنے لیے۔

جانے کب تک ہم اسی حالت میں رہے کہ ابو نے کندھے سے ہلا کر آگے چلنے کے لیے کہا جب ہم حجر اسود کے سامنے پہنچے تو ابو نے کہا آؤ تمہیں موقع فراہم کیا جائے کہ تم حجر اسود کو بوسہ دے سکو۔ جب ہم حجر اسود کے سامنے پہنچے تو عجب افراتفری کا عالم تھا ابو نے کوشش کر کے مجھے اور امی کو حجر اسود تک پہنچا دیا اور جب ہم بوسہ دے کر واپس نکلے

تو امی نے بتایا کہ جو چوڑی ہم نے خریدی تھی وہاں حجر اسود کو بوسہ دیتے ہوئے ایک خاتون کے زور کے سبب ٹیڑھی ہو گئی ہے۔ امی کو بڑا دکھ ہوا مگر ابو نے کہا کہ فکر کی بات نہیں خدا بہتر کرے گا ہم کچھ دیر کے لیے باہر آگئے۔ آب زم زم سیر ہو کر پیا۔ اسی دوران اذان ہو گئی اور فجر کی نماز ادا کر کے واپسی کا قصد کیا۔ میں نے پیچھے مڑ کر دیکھا خانہ خدا کے گرد طواف کرنے والوں کا ہجوم اب بھی جوں کا توں تھا۔ میں نے اس میں ابھی تک کمی ہوتے نہ دیکھی تھی۔ اس کے بارے میں سنا ہے کہ جس دن خانہ خدا کے گرد طواف رک گیا اس دن قیامت آجائے گی۔

دارالمسفلہ کے سرے پر ایک ہندوستانی مسلمان کا ہوٹل ہے۔ بلکہ یہ کہنا زیادہ مناسب ہو گا کہ مسفلہ کی سمت میں جتنے بھی ہوٹل ہیں وہ سب ہندوستانیوں کے ہی ہیں۔ لیکن جس ہوٹل کا میں ذکر کر رہی ہوں' یہ ہماری رہائش گاہ سے ملحقہ تھا اس میں بہت شاندار کھانے پکتے تھے مگر جس چیز کا ذکر کر کے اب بھی اس کا ذائقہ منہ میں گھل سا جاتا ہے وہ اس ہوٹل میں بننے والے بنگالی پراٹھے تھے۔ امی اور ابو دونوں خوراک کے معاملے میں بہت محتاط ہیں۔ خاص طور پر ابو مرغن غذاؤں سے گریز کرتے ہیں مگر مکہ میں ہم جتنے دن بھی رہے' ابو تین پراٹھے لے آتے۔ جو قد کاٹھ میں ایک پراٹھا دو آدمیوں کے لیے کافی ہوتا' مگر ہم سیر ہو کر کھاتے اور سارے دن کی عبادات میں خدا کے فضل و کرم سے اس سب کو ہضم کر دیتا اور امی یا ابو کے لیے کوئی مسئلہ پیدا نہیں ہوا۔

مسجد سے آکر ابو تین پراٹھے لائے اور کھانے کے بعد طے ہوا کہ ہم حرم شریف جائیں گے اور پھر دس گیارہ بجے بازار سے کچھ خرید و فروخت کریں گے اور ظہر کے بعد واپسی ہو گی کیونکہ عشاء کے بعد ہمیں نے اس مقدس مقام کو چھوڑ جانا تھا۔

نو بجے کے قریب ہم کمرے سے نکلے اور حرم شریف میں بیت اللہ کے بالکل سامنے جا کر بیٹھ گئے۔ میں حرم شریف کا جائزہ لینے لگی' تصور میں اس لمحے کو گرفت میں

لینے کی کوشش کرتی ہوں، جب لاکھوں انسان الھم لبیک کہتے ہوئے یہاں سے گزرتے ہیں۔ اب تک اربوں، کھربوں انسان اس چشم فیض سے سرفراز ہوئے اور معلوم نہیں بد تک کتنے اور انسان اس سے کسب فیض کریں گے۔ یہاں کی ہر چیز مقدس بھی ہے اور قدیم بھی۔ میں بالکل مقام ابراہیم کے سامنے بیٹھی تھی اور وہاں سے آگے مقام ملتزم تھا۔

عجیب بات ہے کہ اس جگہ کی سب سے مقدس چیز حجر اسود جنت مکانی ہے، وہیں سے حضرت جبرائیل لائے اور بالا آخر وہیں چلا جائے گا۔ شاید آج کے مسلمانوں کے لیے اس جگہ سے زیادہ شاید ہی کوئی جگہ مقدس ہو کہ اس پر حضور سرور کائنات نے بوسہ دیا۔ مقام ابراہیم بھی ایک پتھر ہے جس میں پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا نقش پا ہے۔ جو پورے وجود کے ساتھ موجود ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اس پتھریا اس جگہ پر جہاں یہ پتھر تھا، حضرت ابراہیم نے کھڑے ہو کر اتنی عبادت کی کہ ان کے پیر کا نقش زمین نے اپنے اندر جذب کر لیا اور زمانے نے اسے محفوظ کر لیا۔ تاریخ نے اسے فضیلت دی اور لوگوں نے منبع فیض جانا۔ میں خدا کی قدرت کی قائل ہوئی کہ جب وہ کسی پر مہربان ہوتا ہے، تو اسے زمین سے اٹھا کر فلک کا ستارہ بنا دیتا ہے، حضرت ابراہیم پر بھی خدا نے اتنا کرم کیا اسے خلیل اللہ بنا دیا۔

ہم زم زم کے قریب تھے۔ عجیب بات ہے کہ مسلمانوں نے اسرائیلیوں کی بہت سی روایتوں کو جوں کا توں اختیار کیا ہے، مگر اسرائیلیوں نے ہر میدان میں مسلمانوں کی نفی کی ہے۔ میرے سامنے زم زم کا کنواں ہے۔ شاید اور بھی کسی بات پر اسرائیلیوں کو اسلامی نکتہ نظر سے اختلاف نہ ہو۔ مگر میرے نزدیک کم از کم یہ ایک ایسا مسئلہ ہے جس پر اسرائیلی اور اسلامی ایک ہی نکتہ نظر رکھتے ہیں کہ زم زم کا کنواں حضرت ہاجرہ کے بیٹے اسمٰعیلؑ کے سبب ہے۔ جو اللہ تبارک تعالیٰ نے اپنے کرم سے عطا کیا۔ اس کا ذکر دیگر آسمانی کتابوں کے علاوہ زبور میں بالتفصیل آیا ہے۔

میں خاموشی سے بیٹھی خانہ کعبہ اور اس کی متعلقات کے بارے میں سوچ رہی تھی۔ دنیا کی مذہبی عمارتوں میں جن چند کا ذکر آتا ہے ان میں خانہ کعبہ' یروشلم اور احرام مصر ہیں۔ احرام مصر چونکہ قبور ہیں اس لیے وہ عبادت گاہوں میں شامل نہیں ہوتی۔ یروشلم کی بنیادیں حضرت داؤد نے رکھی تھیں اور اس کی تکمیل و تعمیر حضرت سلیمان کے ہاتھوں ہوئی حضرت داؤد' حضرت ابراہیم سے تقریباً ۲۱ سو سال بعد میں تشریف لائے تھے' اس حوالے سے خانہ کعبہ دنیا کی وہ عبادت گاہ ہے جو خالص مذہبی نکتہ نظر سے بنی اور عبادت کے لیے مختص ہوئی اور ہزاروں سال سے بدستور قائم و دائم ہے۔ بعض لوگ ہندومت اور ایرانی مذاہب کا ذکر بھی کرتے ہیں' مگر تاریخ میں ان مذہب کی عمر بھی زیادہ نہیں اور تاریخی اعتبار سے خانہ کعبہ کو ہی اولیت حاصل ہے۔

اسلامی روایات کے مطابق سب سے پہلے خانہ کعبہ کی تعمیر حضرت آدمؑ نے کی۔ حضرت جبرائیل جنت سے حجر اسود لائے جیسے خانہ کعبہ میں نصب کیا گیا۔ مگر طوفان نوح کے سبب یہ عمارت سیلاب کی نظر ہو گئی۔ اور یہاں صرف ایک ٹیلہ رہ گیا۔ قرآن پاک کے مطابق اس عمارت کو حضرت ابراہیمؑ اور ان کے بیٹے حضرت اسماعیل نے خدا کے حکم سے تعمیر کیا۔ چونکہ مکہ شہر کی صورت ایک کٹورے کی سی ہے چنانچہ سیلابوں اور طوفانی ہواؤں کے سبب خانہ خدا کو وقتاً فوقتاً نقصان پہنچتا رہا۔

تیسری بار اس مقدس عمارت کو قبیلہ بنی جرہم نے بنایا' جو حضرت اسماعیل کے سسرال سے تھے۔ چوتھی بار مصر و شام کے بادشاہ عمالقہ نے اسے تعمیر کیا۔ پانچویں بار پھر اس عمارت کو نقصان پہنچا تو قریش نے حضرت ابراہیم کی بنیادوں پر از سر نو اس کی تعمیر کی۔ اس کے بعد بھی سیلابوں سے خانہ کعبہ کو نقصان پہنچتا رہا۔ اور آخر گیارہویں صدی ہجری میں ترک سلطان مراد نے اس کو قریش والی بنیادوں پر دوبارہ تعمیر کیا اور آج تک کعبہ کی یہی صورت ہے' تاہم قریشوں نے اس کی تعمیر نو تو خوب کی' مگر اس کا کچھ حصہ

عمارت سے خارج کر دیا جس کو بعد ازاں دیوار کے ذریعے ظاہر کیا گیا کہ یہ بھی خانہ خدا کا حصہ ہے۔ اسے دیوار حطیم کہتے ہیں۔

میری نظروں کے سامنے دور دور تک مختلف رنگوں، نسلوں، لباسوں اور چہروں والے لوگ تھے۔ ہر شخص اپنے کلچر کی نمائندگی کر رہا تھا، لیکن ہر کلچر خدا کے حضور سر بسجود تھا۔ سب کا مطمع نظر ایک تھا سب کا نقطہ نظر ایک اور سب کا عمل ایک تھا۔ سب ایک ہی سمت دیکھ رہے تھے سب ایک ہی جیسا سوچ رہے تھے۔ اور میں خدا کی ذات کے اس پہلو پر حیران کہ یہ ایک ایسا مرکز ہے کہ جہاں تمام فکری زاویے آکر گرتے۔ تمام رنگ و نسل، تمام معاشرت و معیشت اس سجدے کے سامنے ہیچ ہو جاتی جو سارے مل کر "اللہ اکبر" کی آواز پر اپنے سروں کو نیچا کر کے ادا کرتے اتنا نیچا کہ زمین کی خاک ان کی پیشانیوں کو چومنے لگتی۔ اس وقت کچھ لوگ طواف میں مصروف تھے، کچھ نوافل ادا کر رہے تھے کچھ آب زم زم سے سیر ہو رہے تھے اور کچھ قرآن پڑھ رہے تھے اور یہ سب کچھ اس تواتر اور تسلسل میں ہوتا ہے کہ یہاں کا کوئی کام گھڑیوں کا محتاج نہیں۔ چوبیس گھنٹے قرآن پڑھا جاتا ہے۔ چوبیس گھنٹے نوافل ادا ہوتے ہیں۔ چوبیس گھنٹے سعی جاری رہتی ہے۔ چوبیس گھنٹے زمین آب زم زم اگلتی رہتی ہے۔ مجھے یاد آتا ہے کہ ہمارے ہاں دوپہر ۱۲.۰۰ بجے کو زوال کا وقت کہتے ہیں بڑی بوڑھیوں کے مطابق اس وقت نماز یا قرآن، فاتحہ ہر کام بند کر دینا چاہیے۔ لیکن ان تمام دنوں میں میں نے زوال کے کسی ایک لمحہ کو طلوع و غروب ہوتے نہیں دیکھا۔ چوبیس گھنٹے مین نے لوگوں کو خدا کی عبادت میں مصروف دیکھا ہے۔ دن کے ۱۲.۰۰ بجے بھی اور رات کے ۱۲.۰۰ بجے بھی۔ جہاں کلام اللہ ہو وہاں یوں بھی زوال کہاں رہتا ہے۔

میں کہاں سے کہاں پہنچ گئی تھی۔ امی نے کہا چلو اب کچھ شاپنگ کرتے ہیں۔ چونکہ آج ہمارا آخری دن تھا اس لیے جی نہیں چاہ رہا تھا تاہم شاپنگ بھی ضروری بھی ہم

مروہ کے آخری دروازے سے گزر کر چھیڑا بازار پہنچے سب سے پہلے ابو سنار کی دکان میں داخل ہوئے جس سے چوڑیاں خریدی تھیں۔ سنا تھا کہ سعودی انتہائی کھرے اور دوسری بات نہ کرنے والے دکاندار ہوتے ہیں۔ اس کا تجربہ بھی ہو چکا تھا۔ مگر جب ابو نے اپنا تعارف کروایا اور بتایا کہ ان کی دکان سے چند دن پہلے چوڑیاں خریدیں تھیں' وہ رات عمرہ ادا کرتے ہوئے ٹیڑھی ہوگئی ہیں خیال ہے کہ ٹوٹ جائیں گی۔ اس لیے اگر وہ مرمت یا بنوائی کا خرچہ لے کر یہ واپس لے لیں اور ہمیں دو کی بجائے چار چوڑیاں دے دیں۔ کچھ دیر دکاندار سوچتا رہا اور پھر اس نے نئی چوڑیاں بغیر خرچہ لیے دے دیں۔

وہاں سے نکلنے کے بعد ہم نے دس پندرہ جائے نماز تقریباً ۱۰۰ کے قریب تسبیحیں اور دیگر تحائف خریدے جو ہم اپنے عزیزوں کو دے سکتے تھے ابھی ہم حرم کے باب ابراہیم سے تھوڑے فاصلے پر تھے اور آہستہ آہستہ چلتے ہوئے۔ ان محنت کشوں کو دیکھ رہے جو موسم کی چیرہ دستیوں سے نیاز بے انتہا بلند عمارتوں کی تعمیر میں لگے ہوئے تھے۔ ان میں زیادہ تر پاکستانی تھے۔ میں نے رک کر اوپر دیکھا تو دور ہونے کے سبب وہ بہت چھوٹے چھوٹے لگ رہے تھے۔ معاً میری نظر سامنے کھڑی سیاہ گاڑی پر پڑی' میں نے ابو کی توجہ اس جانب مبذول کروائی۔ کیوں کہ جتنے دن بھی ہم یہاں رہے حرم کے اتنے قریب کوئی گاڑی کھڑی نہ دیکھی تھی۔ گاڑی کے ساتھ پروٹوکول کا عملہ عملہ بھی کھڑا تھا۔ ابو نے کہا کہ کسی مسلم ملک کا سربراہ عمرہ ادا کرنے آیا ہو گا۔ ہم باتیں کرتے کرتے اندر آگئے۔ اتنی دیر میں فوجی دکھائی دیئے جو جوتوں سمیت حرم میں داخل ہوئے تھے۔ ان کے پیچھے ایک نہایت سرخ سفید' لمبا اونچا' ہنستا مسکراتا چہرہ تھا۔ پہلے میں سمجھی کہ کسی ملک کا انگریز سربراہ مسلمان ہوا ہے۔ اور اب عمرہ ادا کرنے آیا ہے۔ جب ابو نے کہا کہ انہیں پہچانا؟ تو میں نے نفی میں سر ہلا دیا۔ تو ابو نے بتایا کہ یہ ہمارے چیف آف دی آرمی اسٹاف جناب آصف نواز جنجوعہ ہیں۔ ہمیں بے انتہاء خوشی ہوئی۔ اپنے ملک کے ایک

بڑے آدمی کے اس طرح استقبال اور پراٹوکول پر فخر کا احساس ہوا۔ جو پاکستانی انہیں پہچان گئے تھے وہ خوشی سے ہاتھ ہلا رہے تھے، لیکن اسی کے ساتھ ہی اس بات پر افسوس ہوا کہ حفاظتی دستہ حرم شریف میں جوتے پہن کر داخل ہوا ہے۔ بعد ازاں پوچھنے پر ابو نے بتایا کہ یہ خاص جوتے ہیں۔ جو صرف خانہ کعبہ میں ہی پہن کر آتے ہیں۔ باہر استعمال نہیں ہوتے۔ اتنے میں سب لوگ گاڑیوں میں سوار ہوئے۔ اور گاڑیاں سائرن بجاتی ہوئی نظروں سے اوجھل ہو گئیں۔ اسی اثناء میں ظہر کا وقت ہو گیا ہم واپس حرم شریف پہنچے۔ نماز ادا کرنے کے بعد میں نے ابو سے کہا کہ اگر زیادہ بھوک نہ لگی ہو تو بھی طواف کر لیں۔ ابو نے مسکرا کر کہا کہ بھوک لگی بھی ہو تو طواف ہو سکتا ہے۔ امی نے ہنستے ہوئے کہا کہ اس لڑکی نے ہمارے عمرے اور عبادت کو واقعتاً پر لطف اور آسودہ بنانے کے ساتھ ساتھ یہاں کے ایک ایک منٹ کو خدا کے حضور صرف کرنے پر ہمیں آمادہ رکھا۔ امی نے یہ کہہ کر میرے سر کو بوسہ دیا۔ شاید انہیں یہ بات پسند آئی تھی۔ کہ میں باتیں کرنے کی بجائے زیادہ سے زیادہ عبادت کا لطف اٹھا رہی تھی۔

ہم نے حجر اسود کے سامنے کھڑے ہو کر طواف کی نیت باندھی اور دعائیں مانگتے ہوئے رکن یمانی پر پہنچے۔ وہاں رکے اور خاصی دیر تک کھڑے رہے۔ امی دیوار کے ساتھ سر تھے خدا کے حضور اپنی التجائیں پہنچا رہی تھیں۔ اپنے لیے، اپنے بچوں کے لیے، ابو کے لیے، اپنے بہن بھائیوں کے لیے گڑگڑا کر دعائیں مانگ رہی تھیں۔ جب ہم آگے بڑھے تو حجر اسود تک رسائی تو نہ ہو سکی تاہم ہم نے اشارے کے لیے اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے۔ جب ہم دوسرا چکر مکمل کرنے کے لئے رکن یمانی پہنچے تو وہاں شرطے کو کھڑا پایا۔ حیرت ہوئی، کیونکہ سوائے ایک شرطے کے جو حجر اسود کے قریب ہوتا ہے، کوئی دوسرا نہ دیکھا تھا، جب اس کے نزدیک پہنچے، تو حیرت ہوئی کہ رکن یمانی کے کونے سے کسی نے غلاف کعبہ پھاڑ کر ایک ٹکڑا اڑا دیا تھا۔ مجھے بڑی حیرت ہوئی اور جب ہم آخری

چکر لگا کر وہاں پہنچے، تو مزید حیرت ہوئی کہ وہ جگہ جہاں سے ٹکڑا کاٹ لیا گیا تھا۔ وہاں اسی کے برابر کا سیاہ رنگ کا ٹکڑا رکھ کر ایک خادم سلائی کر رہا تھا۔ اس سے میں نے اندازہ لگایا کہ یہ کام یہاں اکثر ہوتا ہوگا۔ کیونکہ جس تیزی سے کسی نے ہاتھ کی صفائی دکھائی تھی، اسی تیزی کے ساتھ انتظامیہ کے لوگوں نے مرمت کر دی تھی۔ جو بھی ایسا کرتا ہے یعنی غلاف کعبہ کو پھاڑ کر ٹکڑا لے جاتا ہوگا۔ یقیناً یہ اس کے نزدیک ثواب ہوگا، مگر مجھے یہ بات پسند نہ آئی۔

میں نے ابو سے اپنی بات کہی، تو ابو بولے کہ کام زیادہ پسندیدہ نہیں ہے، اصلاً یہ چوری ہی ہے، مگر عقیدے میں اندھے لوگ یہ سب کچھ کر گزرتے ہیں۔

میں نے سوال کیا کہ کیا اس کا کوئی فائدہ ہوگا، ان لوگوں کو جو ایسا کرتے ہیں؟ ”بیٹا لوگ جب اتنا بڑا کام کرتے ہیں تو یقیناً ان کے ذہن میں کوئی نہ کوئی اچھائی کا Concept تو ہوگا اس لیے نفع ہو نہ ہو نفع کا تصور، خواہش اور امید انہیں ایسا کرنے پر آمادہ رکھتی ہے۔“

ہم باتیں کرتے ہوئے ہوٹل پہنچے، کھانا کھایا اور سامان پیک کرنے لگے۔ ہمارے پاس ۲۰ لیٹر کا آب زم زم اور دس لیٹر کا مسجد نبوی کا پانی تھا۔ کچھ تحفے عزیزوں کے تھے اور کچھ سامان گھر کے لیے عدیل کے لیے پیانو، عقیل کے لیے اٹاری اور نبیل کے لیے دوڑنے والی چڑیاں خریدی تھیں، سب کو پیک کیا، سارا سامان جمع کر کے ایک جگہ رکھ کر فارغ ہوئے۔

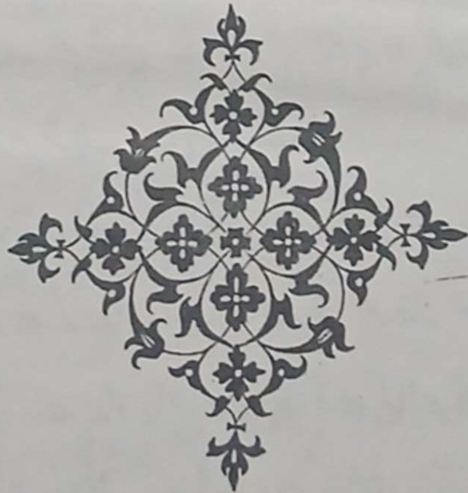
اب ہمیں موجودہ حاضری کی آخری نماز ادا کرنی تھی، عشاء کی اذان ہو چکی تھی، جب ہم باہر نکلے تو لوگ حسب معمول جوق در جوق حرم شریف کی طرف جا رہے تھے۔ ہم پہنچے تو نماز کھڑی ہو چکی تھی، میرا جی چاہ رہا تھا، کہ یہ نماز طویل ہو کر صدیوں پر محیط ہو جائے۔ نیت باندھنے سے قبل یہ خوف موجود تھا، کہ اس نماز کے اختتام پر جب امام کعبہ

سلام پھیرے گا، تو یہ میری آخری نماز ہو گی۔ کون جانے کب پھر یہاں آنے کی سعادت ملے اور ہم اس صورت حال کو روح کی آسودگی کا سبب بنا سکیں۔ نیت باندھ کر نماز میں شامل ہو گئے۔ امام کی قرات ایک ارتعاش کے ساتھ روح کو تازگی اور ایمان کی حرارت سے سرشار کر رہی تھی، رکوع، سجدوں اور سلام کے عمل سے فارغ ہوئے تو ہماری وہ آخری نماز ادا ہو چکی تھی، جس کے بعد ہمیں دیار خدا چھوڑ کر واپس اپنی دنیا میں جانا تھا۔ امی نوافل پڑھنے لگی تھیں میں بھی ان کے ساتھ شریک ہو گئی۔ دل میں تھا کہ زیادہ سے زیادہ نوافل ادا کر سکوں۔ جانے کب تک میں اور امی نوافل ادا کرتے رہے اور اس کا سلسلہ اس وقت اپنی حد کو پہنچا جب ابو نے آکر کہا کہ وقت کم رہ گیا ہے الوادعی طواف کرنا ہے، پھر چلنے کی تیاری ہے۔

ہم تینوں صحن کعبہ میں پہنچے، حجراسود کے سامنے کھڑے ہو کر طواف کی نیت کی اور دیوانہ وار خانہ خدا کے گرد چکر لگاتے رہے۔ اس کے بعد ابو نے manage کر کے ہمیں حجراسود تک پہنچایا اور بوسہ دینے کے بعد وہ مقام ملتزم کے قریب چلے گئے اور ہم رکن یمانی اور حجراسود کے درمیان دیوار کعبہ کے ساتھ کھڑے ہو کر آخری دعا مانگنے لگے۔ کچھ دیر بعد ابو آگئے۔ ہم تینوں نے مقام ابراہیم پر دو نفل ادا کئے اور آخری نظر خانہ کعبہ پر ڈالتے ہوئے حرم شریف سے باہر آگئے۔

جب ہم ہوٹل پہنچے، تو ڈرائیور آ چکا تھا، سامان گاڑی میں رکھ کر جلدی جلدی کھانا کھایا اور گاڑی میں سوار ہو کر روانہ ہوئے۔ ہماری نظر خانہ کعبہ کے بلند میناروں پر تھیں، پھر سرنگ کے آنے سے براہ راست رابطہ کٹ گیا، سرنگ کے گذرتے ہی ہم حضور سرور کائنات کی جائے پیدائش کے قریب چند ساعتوں کے لئے رکے، سامنے حرم شریف کا صفا و مروہ والا حصہ تھا، جس کے ساتھ تاحد نظر فلک کی طرف اٹھتا ہوا شاہ فہد کا محل تھا، ہم نے آخری نظر خانہ کعبہ کے میناروں پر ڈالی اور پھر اس کے گرد گاڑی گھومتی

ہوئی باہر نکل گئی۔ شیشے سے پیچھے مڑ کر دیکھا تو حرم شریف کی روشنیاں رہ گئی تھیں اور روشن مینارے تھے' جو ہمارے ان کے ساتھ گذرے لمحوں کی تصدیق کر رہے تھے۔ پھر یہ منارے دور ہوتے گئے۔ شہر' شہر کی روشنیاں آہستہ آہستہ اندھیرے میں ڈوبتی چلی گئیں۔ سامنے گاڑی کی بتیاں تھیں اور پیچھے سب کچھ رات کے بطن میں اتر گیا۔ معاً مجھے احساس ہوا جیسے وہ روشنیاں جو میں نے پچھلے کئی دنوں میں دیکھی تھیں' رات کے بطن میں نہیں اتریں بلکہ میرے وجود اور روح کے پور پور اتر گئی ہیں۔ مجھے طمانیت کا ایک احساس ہوا اور پھر رفتہ رفتہ گاڑی کی بڑھتی ہوئی رفتار کے ساتھ سکون اور شانت کا ایک ہیولہ میرے چاروں اور رقصاں اسی رفتار سے میرے ساتھ چل رہا تھا۔ میں نے مسکرا کر امی کی طرف دیکھا جن کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ میں نے آہستگی کے ساتھ ان کے کندھے پر سر رکھا اور روشنی اور نور کے سمندر میں ڈوبتی چلی گئی۔ مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے میرے سفر کا منتہائے مقصود یہی تھا' جسے میں نے پالیا تھا۔



رفعت گل ملک کے ممتاز دانشور ادیب و شاعر ڈاکٹر اعجاز راہی کی صاحب زادی ہیں۔ اس لحاظ سے انھیں لکھنے کی تحریک خود اپنے گھر سے ملی۔ ان کی ایک کتاب اسلامی فن تجلید اور ایک سروے رپورٹ خواتین میں عادات مطالعہ طبع ہو چکی ہیں اور اب وہ تخلیقی صلاحیتوں کے ساتھ سامنے آئی ہیں۔ جو سفر انھوں نے مذہبی فریضے کے طور پر کیا وہ اس کتاب میں تازہ مشاہدات اور افکار نو کی صورت دکھائی دے گا۔ نئے تجربات اور مقامات مقدسہ واردات قلبی کی شکل میں وارد ہوئے ہیں۔ جو یقیناً قارئین کے لئے تازہ ہوا کا جھونکا ثابت ہوں گے۔

اسماء بنت سلمیٰ

مادرن بک ڈپو

اسلام آباد لاہور